واعتصمو بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (القرآن)

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا

حق کی تلاش

تحریر: محمد نجم مصطفائی

ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامیہ حنفیہ

حمد باری تعالیٰ

محمد نجم مصطفائی

یا ربّ تیری تعریف کروں کس زبان سے — وہ طرز ادب اور ادا لاؤں کہاں سے

بے شک ہے تو بے عیب، نہیں کوئی بھی ہمسر — ذات و صفت میں کوئی نہیں تیرے برابر

تو ہی دانا و بینا ہے تو ہی باطن و ظاہر — ہے شان تیری اعلیٰ تو ہی اوّل و آخر

وہم و گمان سے میرے بالا ہے تیری بات — ہر عقل و فراست سے برتر ہے تیری ذات

یا ربّ مجھے بھی قوتِ تحریر عطا کر — لفظوں کو میرے سحر کی تاثیر عطا کر

عنواں جو لکھوں میں وہ پسند آئے سراسر — جو بھی کہوں میں بات صداقت ہو سراسر

خواہش ہے اس کتاب کو مقبول بنا دے — تو گلشن اُمت کا اسے پھول بنا دے

پڑھ لے جو اس کتاب کو ہو جائے وہ حیراں — برکت سے اس کتاب کی مضبوط ہو ایماں

مجھ عاجز و لاچار کی مقبول دعا کر
اُمت کے اختلاف کو اُمت سے جدا کر

تاثرات

مفتی عبدالرحمٰن قمر

(ڈائریکٹر آف اسلامک فاؤنڈیشن)

P.O BOX 6101 ALEXANDRIA VA 2230 - U.S.A

مسلمانوں کیلئے یہ باعثِ تشویش ہے کہ آج اُمتِ واحدہ کئی گروہوں میں بٹ چکی ہے۔ جس کی وجہ سے اُمتِ رسول اپنی اجتماعی قوت سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنی اجتماعی قوت کو منتشر کرنے کے بجائے ایک قوت بن کر دنیا پر اسلام کی حقانیت کو ثابت کریں اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب ہم فرقہ واریت کے خول سے خود کو آزاد کرلیں۔

موصوف محمد نجم مصطفائی نے فرقہ واریت کے خلاف حق کی تلاش نامی کتاب تحریر کرکے اُمتِ رسول کو ایک اجتماعی قوت بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ کتاب ہر مسلمان کیلئے وقت کی ضرورت ہے۔ موصوف نے جس دیانتداری اور غیر جانبداری سے اُمتِ رسول کو فرقہ واریت کے خول سے آزاد کرنے کی سعی کی ہے یقیناً یہ اُمتِ رسول کیلئے باعثِ رحمت ہے۔ اگر قاری خالی الذہن ہوکر خالص ہدایت کیلئے اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو ان شاء اللہ وہ محروم نہ رہے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام تعصبات سے ہٹ کر اصلاح عقائد و اعمال کی سعی کی جائے۔ اللہ ربّ العزت اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اس نعمتِ عظمیٰ سے کسی بھی مسلمان کو محروم نہ رکھے۔ آمین

فقیر عبدالرحمٰن قمر

نارتھ امریکہ

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی

(الجامعہ النظامیہ الرضویہ لاہور پاکستان)

اس میں شک نہیں کہ یہ اشاعت کا دور ہے اور فرقہ پرست اپنے وسیع وعریض وسائل مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں صَرف کر رہے ہیں جس کا مقابلہ اس معیار پر مشکل ہے۔ محمد نجم مصطفائی جس انداز سے اپنی مساعی جملہ کو بروئے کار لائے ہیں وہ قابل صد تحسین ہے مذکورہ کتاب کو غور سے پڑھا تو آپ کے اندازِ تحریر کو پسندیدہ پایا جس کی وجہ سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس پر مزید یہ کہ یہ اشاعت موجودہ دور کے معیار پر نہ صرف پوری بلکہ ظاہری اور باطنی طور پر مزید خوبیوں کی حامل ہے۔ کسی ایجنٹ یا کتب خانہ کے ذریعہ ملک بھر میں ہر سٹال پر یہ کتاب موجود رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ محمد نجم مصطفائی کو مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جدوجہد اور مساعی جمیلہ کو قبول و منظور فرمائے۔ آمین

محمد منشا تابش قصوری

(مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان)

اس بحرانی دور میں جبکہ بے دینی کا سیلاب اہل عشق ومحبت اور طالبانِ حقیقت کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ ایسی تصنیفوں کا ظہور اس کے سامنے سد سکندری سے کم نہیں۔ اندازِ تحریر جدید ہونے کے باوجود تحقیق سے بھرپور ہے۔ محمد نجم مصطفائی کی خدمت میں اس کامیاب کوشش پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کی جولانیوں کو چار چاند لگائے اور آپ کی تصنیف کو شرفِ قبولیت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین

محمد منشا تابش قصوری

صاحب تصانیف کثیرہ استاذ العلماء فیض ملت علامہ الحاج مفتی محمد فیض احمد اُویسی مدظلہ العالی (بہاولپور)

فقیر اُویسی رضوی غفرلہ کو جناب محمد نجم مصطفائی نے اپنی تصنیف عطا کر کے اس پر کچھ لکھنے کو کہا فقیر فوراً تعمیل نہ کر سکا کیونکہ فقیر کو عراق، شام کا سفر درپیش تھا۔ واپس ہوا تو بہاولپور میں دورۂ تفسیر القرآن کی مصروفیت ہوگئی۔ اتفاق سے موصوف محمد نجم مصطفائی بھی فقیر کے اس دورۂ تفسیر القرآن میں داخل ہیں۔ موصوف کے رسائل نہایت ہی مفید ہیں۔ بالخصوص جس طرز میں انہوں نے اپنی تصنیف کو مرتب کیا ہے اس سے معمولی سمجھ رکھنے والا بھی بہت زیادہ استفادہ کر سکتا ہے۔ فقیر کی دعا ہے کہ مولیٰ عزّ وجل بطفیل حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی مساعی کو قبول فرما کر ان کیلئے توشۂ آخرت اور اہل اسلام کیلئے مشعل راہ ہدایت بنائے۔ آمین

الفقیر ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف (لاہور)

محترم مقصود حسین صاحب کی معرفت محمد نجم مصطفائی کی تصنیف موصول ہوئی۔ الحمدللہ کتاب، تحریر، مواد، طباعت کے لحاظ سے بہت ہی دیدہ زیب اور عمدہ ہے۔ کتاب کا نام اور ٹائٹل دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ آج کی ضرورت یہ ہے کہ مسلک اہلسنّت وجماعت کا لٹریچر مثبت انداز میں پیش کیا جائے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ محمد نجم مصطفائی آپ عصر حاضر کے تقاضوں کا صحیح شعور رکھتے ہیں اور مصروفِ عمل ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی اور استقامت عطا فرمائے اور آپ کے معاونین سمیت آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

حضرت خلیفہ سخی محمد نقشبندی

(اسلامک محی الدین یونیورسٹی نیریاں شریف۔ آزاد کشمیر)

دین حق کی سربلندی واحیاء عالم اسلام کے اتحاد و یکجہتی، تفرقہ بازی کے خاتمے کیلیے جناب محتشم ومکرم محمد نجم مصطفائی صاحب نے جو قلم اُٹھایا اور پیغامِ حق پوری قوم کو پہنچانے کی سعی جمیلہ فرمائی جہاں یہ پوری مسلم امہ پر احسانِ عظیم ہے وہاں یقیناً مالکِ ذوالجلال کے حضور اور جناب سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں مقبول ومنظور ہے۔ مبلغ اسلام سرپرست اعلیٰ (محی الدین یونیورسٹی) الحاج علاؤ الدین صدیقی صاحب کی خدمت میں وطن واپسی پر یہ گزارش کی جائے گی کہ دونوں کتابوں (حق کی تلاش، منزل کی تلاش) کو اسلامک محی الدین یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ یقیناً یہ عرض ضرور قبول کی جائیگی۔

آپ کا مخلص خلیفہ

سخی محمد نقشبندی

حضرت علامہ محمد غفران علی الصدیقی غفرلہ

امام اینڈ ڈائریکٹر اسلامک سینٹر آف نیوجرسی

رحمان مسجد ۱۱۲، مورس اسٹریٹ، جرسی سٹی، امریکہ

فقیر نے محترم المقام جناب محمد نجم مصطفائی صاحب کی تصنیف **حق کی تلاش** کا بغور مطالعہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے نہایت ہی دیانت دارانہ اور فاضلانہ طریقہ سے حق کے متلاشی بندگانِ خدا کو ایسی مشعل راہ ہاتھ میں دے دی ہے کہ اگر تعصب اور ہٹ دھرمی کی پٹی اپنی آنکھوں پر نہ ہو تو انسان اس مشعل کی روشنی میں صراطِ مستقیم کو پائے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس پر عمل کر کے مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی اُمت پھر اُمت واحدہ بن کر اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مصنف کی اس سعی جمیلہ کو قبول فرما کر اس کتاب کو اہل اسلام میں مقبول عام فرمائے اور ان کی عمر، علم وعمل اور قلم میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

فقیر محمد غفران علی الصدیقی غفرلہ

عرضِ مصنف

مسلمانو! آج کے اس پرفتن دور میں مسلمان اسلام سے دور ہوتا جارہا ہے اور دن بدن گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چلا جارہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی ہدایت کی راہ سے بھٹک جائے اور مقام صراط مستقیم سے دور ہو جائے تو گویا وہ راہِ حق سے دور ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ بدعقیدگی، گمراہی، بدمذہبی کو اختیار کر کے ہمیشہ کیلئے راہِ حق سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ہاں یہ تو ممکن ہے کہ اسے کوئی مردِ کامل عالمِ حق مل جائے اور اس کے ذریعہ سے وہ راہِ حق کو اختیار کرے مگر ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کیونکہ جب انسان گمراہی کو دین سمجھ بیٹھتا ہے تو اس کی ذہنی بغاوت اسے کسی بھی اہلِ حق عالمِ دین پر اعتماد کرنے سے محروم کر دیتی ہے۔

میری یہ تصنیف میرے ان مسلمان بھائیوں کیلئے ہے جو یہ نہیں جانتے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ جو علمِ دین سے نا آشنا ہیں۔

چنانچہ میری اس کتاب کا ثواب سب سے پہلے ان مسلمانوں کے نام جو آج کے پرفتن اور فرقہ پرستی کے دور میں تلاشِ حق کے متلاشی ہیں جو فرقہ پرستی کے خول سے نکل کر صراطِ مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں۔ جو بکھری ہوئی اُمت کو اُمت واحدہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ جن کے دل حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہیں اور ان کی محبت کو ایمان کی جان تصور کرتے ہیں۔

دوئم بصد واحترام ان محدثین کرام اور آئمہ دین کے نام جن کے قلم کی روشنائی بروزِ قیامت شہیدوں کے خون کے ساتھ وزن کی جائے گی بالخصوص اس مردقلندر رہبر و رہنما کے نام جن کی نگاہِ فیض سے ناقص کامل اور کامل رہنما بن گئے جن کے علمی اور روحانی فیض کے سبب سے مجھ ناچیز کو قلم اٹھانے کی توفیق نصیب ہوئی، جن کے فیوض و برکات کے چشمے صبحِ قیامت تک جاری وساری رہیں گے۔ اِن شاءَ اللہ

آپ کا بھائی: محمد نجم مصطفائی

پنجاب۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے محترم مسلمان بھائیو اور پیاری ماؤ اور بہنو!

آجکل آپ نے اس حقیقت کا ضرور مشاہدہ کیا ہوگا کہ اس ملک میں بسنے والے مختلف مکاتبِ فکر کے لوگ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہوئے نہیں رُکتے۔ ملک کی در و دیوار پر نظر ڈالئے تو کہیں لکھا ہوگا شیعہ کافر تو کہیں وہابی کافر، کہیں لکھا ہوگا دیوبندی کافر تو کہیں بریلوی کافر۔ ہر مکتبۂ فکر اسی کوشش میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح انہیں مسلک حق تسلیم کرلیا جائے اور دنیا بھر کے مسلمان ان کے مسلک سے وابستہ ہوجائیں۔ جس کو دیکھو ایک دوسرے پر شرک و کفر کے فتوے لگا رہا ہے۔ گویا اپنی تمام تر توانائیاں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کی جارہی ہیں۔ بڑے بڑے جلسے، عظیم الشان کانفرنس، مذاکرے، سیمینار، بحث و مباحثہ کی نشستیں ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرنے کیلئے کی جارہی ہیں۔ ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرنے کیلئے لٹریچر گھر گھر پہنچایا جارہا ہے۔ مسجد ہو یا مدارس، اسکول ہو یا کالج، دفتر ہو یا فیکٹری، مل ہو یا کارخانہ، شہر ہو یا گاؤں ہر جگہ دیکھو یہی گفتگو موضوع بحث بنی رہتی ہے کہ فلاں مشرک تو فلاں کافر، ہر مسلک کا یہ دعویٰ ہے کہ ان سے زیادہ سچا پکا اور نکھرا ہوا مسلمان اور کوئی نہیں۔

گروہ بندی اور فرقہ پرستی نے اُمتِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو آج یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ وہ کس فرقہ کے اسلام کو قبول کرے؟ کس کے اسلام کو صحیح تو کس کے اسلام کو غلط قرار دے؟ کس جماعت کے نظریئے اور عقیدے کو دُرست تسلیم کرے اور کس نظریئے اور عقیدے کو غلط قرار دے؟ فرقہ پرستی کی اس یلغار نے مقدس دین اسلام کو ایک اجنبی چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔

پیارے مسلمانو! اُمتِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اس انتشار کو ختم کردینے کیلئے اگر کوئی نرم گوشہ آپ کے دل میں موجود ہے اور اُمت کے مابین اختلاف کو جاننا چاہتے ہیں اور اتفاق و اتحاد کی اصل رکاوٹوں کو دور کرنے کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں تو آپ کو سب سے پہلے اپنے ذہن کا دروازہ کھلا رکھنا ہوگا تاکہ اتفاق و اتحاد کی طرف پیش رفت کی جاسکے۔ کیونکہ حق کا متلاشی کسی گروہ یا فرقے کا طرف دار ہرگز نہیں ہوتا۔ جذبہ صادق رکھ کر آج ہمیں انتہائی ذمہ داری اور ایمانداری کے ساتھ اس حقیقت کا جائزہ لینا ہے کہ ان میں سچا کون ہے تو جھوٹا کون؟ کیونکہ ہر ایک قرآن و حدیث کی گہرائیوں تک پہنچنے اور اسے صحیح سمجھنے کا دعویدار ہے اور ببانگ دہل یہ اعلان کررہا ہے کہ قرآن و حدیث کے مغز تک سوائے ان کے کسی اور کی رسائی ممکن نہیں۔

جب دعوے اس قدر مستحکم اور ارادے اتنے پختہ ہوں تو پھر کون ہے جو اپنے کو باطل اور دوسرے کو حق تسلیم کرے۔ بہر حال کوئی اپنے کو باطل مانے یا نہ مانے جھوٹا سمجھے یا نہ سمجھے ہمیں غیر جانبدارانہ طور پر اس حقیقت کا جائزہ لینا ہے کہ حق کون ہے اور باطل کون۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے حق و باطل کا فیصلہ کرے کون؟

تو پیارے بھائیو! ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت ہرگز نہیں ہونی چاہئے کیونکہ فیصلہ کرنے کیلئے ہمارے پاس بڑے بڑے مصنف موجود ہیں جن کے فیصلے کے بعد پھر کسی کے فیصلے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ان میں سب سے بڑا مصنف اور سب سے بہترین فیصلہ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے پھر اس کے بعد اس عظیم ہستی کی عدالت بھی موجود ہے جنہیں کفار و مشرکین بھی صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے جن کے فیصلہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ، جن کے حکم کو اپنا حکم اور جن کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے ارشادات کی روشنی میں آج ہمیں حق و باطل کا جائزہ لینا ہے تاکہ حقائق کھل کر سامنے آجائیں۔ حق کا بول بالا ہو جائے اور باطل اپنے منطقی انجام تک پہنچ جائے۔

چنانچہ سب سے پہلے ہم یہ مقدمہ بارگاہِ خداوند قدوس میں پیش کرتے ہیں تاکہ اس فیصلے پر کسی کو بھی اعتراض نہ ہو۔

لہٰذا اللہ کی بارگاہِ اقدس میں گڑگڑا کر یہ عرض کرتے ہیں اے مالکِ کون و مکاں! آج ہماری زبانیں ایک دوسرے کو کافر کہتے ہوئے نہیں تھکتیں اور ہر مکتبہ فکر اپنے آپ کو سچا پکا اور نکھرا ہوا مسلمان سمجھ رہا ہے لیکن اس حقیقت کو تو ہی جانتا ہے کہ ان میں مسلمان کون ہے اور کافر و مشرک کون؟ اے مالکِ بحر و بر! تو ہمارے اس متنازعہ مسئلے کو حل فرمادے کہ تیری بارگاہ میں مسلمان کون ہے اور کافر کون؟ جب ہم نے یہ مقدمہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا تو خداوند قدوس نے ایسا دوٹوک اور فیصلہ کن جواب ارشاد فرمایا کہ پھر کسی وضاحت یا تبصرے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے صاف اور بالکل واضح طور پر ارشاد فرمایا۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما (سورۃ النساء: ۶۵)

تو اے محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہارے ربّ کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رُکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

مسلمانو! قرآن مجید کے مذکورہ بالا ارشاد سے یہ واضح ہوا کہ جو شخص حکم رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے سرتابی کرے گا اور جو اپنے معمولات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا حاکم تسلیم نہیں کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کا اس کیلئے یہ کھلا اعلان ہے کہ وہ مومن نہیں ہاں اس مالکِ کون و مکاں کی بارگاہ میں تو مومن وہی ہے جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی و فرمانبرداری کا پٹا اپنی گردن میں ڈالے حاضر ہوگا اور دل کی گہرائیوں سے حکم رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے آگے اپنا سر تسلیم خم کردے گا۔

قرآن مجید کے اس ارشاد سے یہ حقیقت سورج کی طرح روشن ہوگئی کہ جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا حاکم نہ مانا اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر اپنا سر تسلیم خم نہ کیا، اللہ کی بارگاہ میں وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے اور جس کسی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا حاکم مانا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر حکم کو اللہ تعالیٰ کا حکم، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر قول کو اللہ تعالیٰ کا قول، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر انکار کو اللہ تعالیٰ کا انکار جان کر اپنا سر تسلیم خم کر دیا وہ کافر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی سچا پکا اور نکھرا ہوا مسلمان ہے۔ اس آیتِ مبارکہ نے کھرے اور کھوٹے کی پہچان کر دی۔ اب کون ہے جو اس فیصلے کے بعد جرأت گفتار کرے۔

پس جس کسی نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی قول یا کسی حکم کا مطلقاً انکار کر دیا از روئے قرآن وہ کافر ہے اور جس نے انکار نہ کیا اور آپ کے حکم کو من وعن تسلیم کر لیا سو وہ کافر نہیں بلکہ کھرا مسلمان ہے۔

مقامِ غور وفکر ہے کہ جو کوئی حکمِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا انکار کر دے تو وہ کافر بن جائے، اس کا ایمان تلف کر دیا جائے اور جو اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرے کیا وہ مسلمان رہے گا؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کرنے والا بدرجہ اولیٰ کافر ہے۔ آج ہمیں اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات ہی کی روشنی میں اس حقیقت کا جائزہ لینا ہے کہ ان دونوں مقدس بارگاہوں میں کون حکمِ الٰہی اور حکمِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر سر تسلیم خم کر دینے والا ہے اور کون انکار کر کے کفر کا لعنتی طوق اپنی گردن میں ڈالنے والا ہے۔

اس طرح یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ کون سا مکتبہ فکر راہِ حق پر ہے اور کون سا گمراہی اور بے دینی کی راہ پر ہے۔

اھم سازش کا انکشاف

مسلمانو! قبل اس کے کہ اس حقیقت کا جائزہ لیا جائے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل۔ میں آپ کو یہ بتا دینا پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام کے دعویداروں کا یہ اختلاف کب اور کیوں ہوا۔

مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے لہٰذا یہود و نصاریٰ کبھی اسلام کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی سازشیں کیں، جب انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند پر قبضہ کیا اور مسلمانوں کی سات سو سالہ حکومت کا خاتمہ کیا تو انہیں یہ ڈر تھا کہ مسلمان ان سے حکومت چھین لیں گے۔ لہٰذا ان اسلام دشمن انگریزوں نے اُمتِ مسلمہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کا ایک انقلابی منصوبہ تیار کیا۔ یہ سازش کیا تھی اس حقیقت کا انکشاف ایسی کتاب سے کرتا ہوں جو آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل 1857ء کی جنگِ آزادی سے پہلے تحریر کی گئی۔ ہندوستان کی دھرتی پر لکھی جانے والی اس تاریخ ساز کتاب میں یہ مضمون موجود ہے کہ انگریز پادریوں نے ایسے زرخرید مولوی تیار کیے جن کو انگریز دور میں پچاس روپے یعنی آج کے دور کے حساب سے پچیس سے تیس ہزار روپے تک کے وظیفے دیتے تھے تاکہ مسلمانوں کا اجماع و اتفاق دینی بالکل ٹوٹ جائے اور انبیاء و اولیاء سے بداعتقاد ہو جائیں۔ (ملاحظہ کیجئے کتاب تحفہ محمدیہ، صفحہ ۳۱، ۳۲)

اس مضمون میں یہ حقیقت سورج کی طرح روشن ہے کہ انگریز پادریوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے، باہمی اتحاد و اتفاق کو ختم کرنے اور انبیاء و اولیاء کرام سے بداعتقاد کرنے کیلئے زرخرید مولوی تیار کیے جنہیں اس دور میں بھرپور وظیفے دیئے جاتے، ان زرخرید مولویوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے انگریز منصوبوں کو کامیاب بنایا اور ایسی کتابیں تحریر کیں جنہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو منتشر کر دیا۔ اس حقیقت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ ایک زرخرید مولوی نے ایک کتاب تحریر کی۔ کتاب تحریر کرنے کے بعد اس زرخرید مصنف نے کہا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے انہیں شرک جلی لکھ دیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اسکی اشاعت سے سورش ضرور ہوگی مگر مجھے توقع ہے کہ لوگ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائینگے۔ (کتاب ارواح ثلاثہ، ص ۸۰، ۸۱)

مذکورہ دونوں عبارات کو پڑھ کر آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انگریز نے جو زرخرید مولوی تیار کیے تھے انہوں نے دین حق میں کیسی کیسی ترمیم کرنے کی جرأت کی۔ ایک مولوی نے اپنی شرانگیز کتاب پر تبصرہ کیا اور اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ کتاب میں بعض مقامات پر تیز الفاظ ہیں، بعض مقامات پر تشدد ہے اور شرک خفی کو شرک جلی لکھ دیا ہے جس سے سورش ہوگی یعنی باہمی جھگڑے ہونگے، لوگ ایک دوسرے پر شرک اور کفر کے فتوے لگائینگے اس طرح یہ اُمت گروہوں میں بٹ جائے گی اور انگریزوں کا منصوبہ مکمل ہو جائے گا۔

مسلمانو! اس آگ بھڑکا دینے والی کتاب کے ردّ میں اس دور کے بڑے بڑے علماء نے درجنوں کتابیں تحریر کیں تا کہ کسی طرح مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے مگر جن مولویوں کو انگریز حکومت کی حمایت حاصل ہو اور جن کا مقصد ہی مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کرنا ہو تو ایسے بے ضمیر مولویوں پر علماءِ حق کی تحریروں کا کیا اثر ہو گا۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان ابتداء ہی سے ایک ہی مذہب حق پر چلے آرہے تھے۔ ان میں کسی بھی قسم کا کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا۔ تمام مسلمان باہمی محبت و اُخوت کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارتے تھے لیکن جب انگریز نے سرزمین ہند پر قدم رکھا اور سازشوں کا جال بچھا کر مسلمانوں کا سات سو سالہ اقتدار چھین لیا تو انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ مسلمان کہیں دوبارہ اقتدار میں نہ آجائیں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے کا پروگرام بنایا اور ایسی خطرناک سازش کی کہ کسی طرح اُمتِ مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے۔ وہ اپنی اس مذموم سازش میں ایسا کامیاب ہوا کہ اس نے اُمتِ مسلمہ کو دو گروہوں میں بانٹ دیا۔ جس سے اُمتِ مسلمہ گروہ بندی کا شکار ہوئی اور آج تک یہ اختلاف چلا آرہا ہے۔ زر خرید مولویوں نے اُمتِ مسلمہ میں ایسا اختلاف پیدا کیا کہ آج ہر گھر اس جھگڑے کا شکار ہوتا نظر آرہا ہے، باپ بیٹے سے تو بھائی بھائی سے جدا ہو گیا۔ باپ بیٹے کو مشرک کہہ رہا ہے تو بیٹا باپ کو، بھائی اپنے بھائی کو تو دوست اپنے دوست کو مشرک کہہ رہا ہے۔ اس آگ بھڑکا دینے والی اُمتِ مسلمہ کو باہم لڑا دینے والی کتاب نے امت مسلمہ کو ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر کفر اور شرک کے فتوے لگا رہے ہیں۔ جو شرک نہیں اسے بھی آج شرک کہا جا رہا ہے۔ آخر یہ شرک ہے کس بلا کا نام؟ اسے جاننا آج ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو جو بات شرک نہ ہو اسے آپ شرک سمجھ بیٹھیں اس طرح لاعلمی میں آپ اپنا ایمان گنوا بیٹھیں۔

شرک کیا ہے؟

مسلمانو! شرک تمام بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرك بہ (سورۂ نساء:۴۸)

بے شک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

شرک کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

و من یشرك باللّٰہ فقد افتری اثما عظیما (سورۂ نساء:۴۸)

اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا گناہ کا طوفان باندھا۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے بارگاہِ رسالت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں آ کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کون سا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بڑا ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کیلئے کوئی شریک ٹھہراؤ حالانکہ اسی نے تم کو پیدا فرمایا۔ (مشکوٰۃ، جلد اوّل صفحہ ۱۶ بحوالہ بخاری و مسلم)

قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ شرک بہت بڑا گناہ اور نا قابل معافی جرم ہے اور ایسا زہر ہے جو کسی کے دامن دل میں ذرّہ برابر بھی داخل ہو جائے تو اس کے خرمن اعمال اور دولتِ ایمان کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ اس کی ہلکی سی چنگاری اعمالِ صالحہ کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیتی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب سے پہلے شرک کی حقیقت جانیں کہ آخر شرک ہوتا کیا ہے؟ کیونکہ آج کل یہ بات موضوع بحث بنی رہتی ہے کہ نذر و نیاز، فاتحہ خوانی کرنا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی پیغمبر یا ولی کو وسیلہ بنانا، بارگاہِ رسالت میں ہدیہ درود و سلام پڑھنا، انبیاء اور اولیاء کرام سے مدد لینا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب داں، نور، حاضر و ناظر، حیاۃ النبی، نفع و نقصان کا مالک و مختار اور شفاعت کرنے والا سمجھنا یہ سب باتیں شرک ہیں۔ ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کیا واقعی ایسا کرنا شرک ہے؟ اگر ایسا کرنا واقعی شرک ہے تو تمام مسلمانوں کو ان اعمال سے بچنا ہوگا اسی میں ایمان کی سلامتی ہے اور اگر ایسا کرنا شرک نہیں تو پھر ان لوگوں سے بچنا ضروری ہے جو ان اعمال کو شرک بتاتے ہیں اگر ان سے اپنے آپ کو نہ بچایا تو ایمان کا برباد ہو جانا یقینی ہے۔

پیارے مسلمان بھائیو! جب تک ہم شرک کی حقیقت کو نہیں سمجھیں گے کہ آخر شرک ہوتا کیا ہے۔ مذکورہ بالا اعمال کے بارے میں صحیح فیصلہ نہیں کر سکتے۔ شرک کی حقیقت کو سمجھنے کے بعد ہی اس حقیقت کا پتا چلے گا۔ مذکورہ بالا نظریات شرک کی زد میں آتے ہیں یا نہیں؟ یا محض بغض و عناد کی عینک آنکھوں پر چڑھا کر سیدھے سادھے مسلمانوں کو نئے نئے فرقوں کی آگ میں جھونکا جا رہا ہے۔

فلسفہ شرک

پیارے مسلمانو! یہ تو معلوم ہوگیا کہ شرک گناہِ عظیم ہے اور ایسا بڑا گناہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا اور شرک کرنے والا مشرک ہمیشہ جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلتا رہے گا۔اب ہمیں جاننا یہ ہے کہ شرک ہوتا کس طرح سے ہے آیئے اس حقیقت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے:

فلا تجعلوا للّٰہ اندادا وانتم تعلمون (سورۂ بقرہ:۲۲)

تو اللہ تعالیٰ کیلئے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ۔

پیارے مسلمانو! قرآن مجید کے مذکورہ بالا ارشادات سے یہ فیصلہ ہوگیا کہ کسی غیر خدا کو خداوند قدوس کے برابر ٹھہرانا دراصل شرک ہے۔جس کسی نے غیر خدا کو اللہ تعالیٰ جیسا ہمسر، برابر یا شریک سمجھا گویا اس نے شرک کیا۔آئمہ دین اور مفسرین دین نے ہمسری اور برابری کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ان دونوں قسموں میں سے کسی ایک قسم پر بھی ایمان لایا گیا تو شرک ہوجائیگا۔

شرک کی پہلی قسم ہے: شرک فی الذات۔شرک فی الذات کے معنی ہیں کہ کسی غیر خدا کو اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ میں برابر کردینا یا ہمسر اور شریک سمجھنا۔

ہر مسلمان کا یہ ایمان بلکہ ایمانِ کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد اور لاشریک ہے وہ اپنی ذات میں قطعی یکتا ہے اور اپنی یکتائی میں کسی کا ہم مثل نہیں۔وہ اپنی ذات میں قدیم، ازلی اور ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔وہ واجب الوجود ہے یعنی وہ کسی سے وجود میں نہیں آیا۔وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب یا کسی ذرائع کا محتاج نہیں، وہ اپنی ذات میں خود بخود ہے۔اسی کی ذات پاک لائق عبادت ہے، وہ معبود و مسجود ہے، ہر شے کا خالق ہے، ہر شے اس کی محتاج ہے پس اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی، ابدی، قدیمی، لائق عبادت، معبود و مسجود اور واجب الوجود ہے اسی طرح کوئی دوسرا بھی ازلی، ابدی، قدیمی اور واجب الوجود ہے۔یعنی یوں کہے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں قدیم، ابدی، ازلی، معبود و مسجود ہے بالکل اسی طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام یا حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ بھی قدیم، ازلی، ابدی، معبود و مسجود اور واجب الوجود ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کھلا ہوا مشرک ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کسی غیر خدا کو برابر، ہمسر اور شریک کردیا اور یہی برابری، یہی ہمسری، یہی شراکت شرک کی پہلی قسم ہے۔

محترم مسلمانو! میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا، ابدی، ازلی، قدیمی اور واجب الوجود ہے اسی طرح آپ کسی فرشتے، کسی نبی، کسی ولی یا کسی پیر کو ابدی، ازلی، قدیم اور واجب الوجود مانتے ہیں؟ اگر نہیں مانتے تو یقیناً آپ کا دامن شرک کی پہلی قسم کی نجاست سے پاک وصاف اور سورج کی طرح چمکدار ہے۔آپ ہرگز شرک کرنے والے نہیں۔آپ پکے اور سچے مسلمان ہیں۔آپ کے مسلمان ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔آپ کا مشرک ہونا اس وقت ثابت ہوتا جب آپ کسی بھی غیر خدا کو اللہ کی ذات میں شریک کردیتے۔جب ذات میں شراکت نہیں تو پھر شرک کیسا؟

اب شرک کی دوسری قسم بھی سمجھ لیجئے کہ وہ کیا ہے۔ شرک کی دوسری قسم ہے: شرک فی الصفات۔ شرک فی الصفات کے معنی یہ ہیں کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں بالکل وہی صفات کسی غیر خدا میں بھی شریک کردی جائیں۔

مسلمانو! شرک کی پہلی قسم کو سمجھنا عام مسلمانوں کیلئے آسان ہے جو یقیناً آپ سمجھ چکے ہوں گے۔ دنیا میں کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اللہ کی ذات میں کسی کو شریک کرتا ہو۔ لیکن شرک کی دوسری قسم عام مسلمانوں کیلئے بغیر سمجھے جاننا مشکل ہے، عام مسلمانوں کو شرک کی دوسری قسم کا علم نہ ہونے کی وجہ سے آج فرقہ واریت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان شرک کی دوسری قسم ذرا توجہ سے سمجھ لیں تاکہ باہمی اختلافات کو دُور کیا جاسکے۔

پیارے مسلمانو! جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک وہمسر نہیں بالکل اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اور کوئی دوسرا ان صفات میں شریک نہیں۔ اس معبود و مالک کی تمام صفاتِ کاملہ بھی اس کی ذات کی طرح قدیم، ابدی، ذاتی، ازلی، لامتناہی اور لامحدود ہیں جو ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ اس کی ہر صفت، نقص اور عیب سے پاک و منزہ ہے۔ اس کا رحمان ہونا، کریم ہونا، حی و قیوم ہونا، موجود ہونا، عالم الغیب ہونا، سمیع و بصیر ہونا، نور ہونا، گواہ ہونا، حاکم ہونا، عالم ہونا، اوّل و آخر ہونا، رؤف و رحیم ہونا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدیم، ازلی، ابدی، لامحدود، ذاتی اور لامتناہی صفات ہیں جس میں کسی بھی مخلوق کی شراکت ممکن نہیں۔

پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کی طرح کسی غیر خدا میں اس کی کسی صفت کو قدیم، ازلی، لامحدود، ذاتی، لامتناہی مانے یعنی وہ یوں کہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا، ذاتی، قدیمی، لامحدود، ازلی و ابدی ہے بالکل اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا بھی ذاتی، قدیمی، لامحدود، لامتناہی، ازلی و ابدی ہے، یا یوں کہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا نور ہونا، موجود ہونا، زندہ ہونا، مختارِ کل ہونا، رؤف و رحیم ہونا، حاکم ہونا، کریم ہونا، سمیع و بصیر ہونا، گواہ ہونا، قدیمی، ازلی، ابدی، ذاتی اور لامحدود ہے بالکل اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ہونا، مختار ہونا، حاضر و ناظر ہونا، زندہ ہونا، رؤف و رحیم ہونا، حاکم ہونا، کریم ہونا بھی قدیمی، ازلی و ابدی، ذاتی اور لامحدود ہے یا کسی بھی غیر خدا میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کو برابر یا شریک کردے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہوگا اور اس کے شرک میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوگا اس کا دامن شرک کی نجاست سے آلودہ ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی پاک و منزہ صفاتِ کاملہ میں غیر خدا کو شریک کردیا اور یہی شراکت شرک کا سبب بن جائے گی۔

محترم مسلمانو! جس کسی میں شرک کی یہ دونوں قسمیں پائی جائیں گی یا دونوں میں سے کوئی ایک قسم بھی پائی جائے گی اس کو بیشک مشرک کہیں گے، اس کے علاوہ کسی بات کو شرک نہیں کہا جا سکتا۔ جب بھی کسی بات پر شرک کا شبہ ہو تو اس حقیقت پر غور کر لیا جائے کہ اس میں کسی غیر خدا کو واجب الوجود، معبود و مسجود ماننا اور اس کی صفات کو قدیمی، ذاتی، لامحدود، ازلی صفات رکھنے والا ماننا لازم آتا ہے یا نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی بات لازم آتی ہے تو بے شک وہ بات شرک ہے اگر ان میں سے کوئی بات لازم نہیں آتی تو اسے شرک نہیں کہہ سکتے۔ شرک فی الصفات کی حقیقت کو ایک آسان سی مثال سے سمجھئے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے ذرّے ذرّے سے آگاہ ہے مگر کوئی کسی پتھر کے بارے میں یہ کہے کہ یہ پتھر اللہ تعالیٰ کی عطا سے تمام جہانوں کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے تو یہ کہنے والا مشرک ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں ہوگا۔ وہ جھوٹا تو ہو سکتا ہے مگر مشرک نہیں۔ جھوٹا اس لئے کہیں گے کہ اس پتھر میں یہ صفت موجود نہیں تھی لیکن عقیدہ یہ رکھا کہ وہ ذرّ ذرّے سے واقف ہے اور مشرک اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اس کے بعطائے الٰہی کہنے سے واضح ہو گیا کہ وہ اس کی صفت کو عطائی، حادث، محدود اور قدرتِ الٰہی کے اختیار میں کہہ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں۔

ایک اور مثال:۔

ہر کوئی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رازق ہے وہی ہمیں رزق عطا فرماتا ہے مگر کوئی جھوٹا شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ کی عطا سے سارے انسانوں کو رزق دیتا ہوں۔ کیا یہ عمل شرک ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹا تو ہو سکتا ہے لیکن مشرک نہیں۔ جھوٹا اس لئے کہ وہ سارے انسانوں کو رزق دینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مشرک اسلئے نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنی صفت کو اللہ تعالیٰ کی ماتحتی میں کہہ رہا ہے اپنی ذاتی نہیں۔ اب آیئے اس بات کو قرآن مجید کی روشنی میں سمجھئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل قوم کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا:

انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا م باذن اللہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتٰی باذن اللہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم (سورۃ آل عمران:۴۹)

میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مُردے جلاتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو۔

قرآن مجید کے اس واقعے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار باتوں کا ذکر اپنی قوم سے کیا ہے:۔

(۱) مٹی کے پرندے بنا کر پھر ان میں پھونک مار کر اُڑا دینا۔

(۲) مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا۔

(۳) مردوں کو زندہ کرنا۔

(٤) اور جو کچھ کھایا اور جو کچھ گھروں میں چھپا کر رکھا اس کی خبر دینا۔

ازروئے ایمان بتایئے مٹی کی بنائی ہوئی مورت کو زندہ کر دینا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا نہیں؟ مادر زاد اندھے کو آنکھیں اور کوڑھی کے مریض کو شفا دینا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا نہیں؟ مردوں کو زندہ کر دینا اور جو کچھ انسان نے کھایا اور چھپا کر رکھا ان سب کا علم رکھنا اللہ کی صفت ہے یا نہیں؟ یقیناً ہے۔ اب اگر کوئی غیر خدا، اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا دعویٰ کرے اور یوں کہے کہ میں مٹی کی بنائی ہوئی مورتیوں کو زندہ کرنے والا ہوں، میں مادر زاد اندھے کو شفا دینے والا ہوں، میں مردوں کو زندہ کرنے والا اور ہر ایک چھپی ہوئی چیز کو جاننے والا ہوں۔ بتایئے ایسا کہنا شرک ہوا یا نہیں؟ یقیناً شرک ہوا۔

جو بھی اللہ تعالیٰ کی ان ذاتی صفات کو اپنے سے منسوب کریگا وہ کھلا مشرک ہوگا۔ مگر آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان ہی صفات کا ذکر کیا اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں مٹی کی مورت پھونک مار کر اُڑا سکتا ہوں، بیماروں کو شفا دے سکتا ہوں، مردوں کو زندہ کرسکتا ہوں اور گھر کی چھپی ہوئی باتوں کو بتا سکتا ہوں **مگر اللہ تعالیٰ کے حکم** سے۔ باذن اللہ یعنی بعطائے الٰہی کہنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان چاروں صفات کو حادث، محدود، عطائی اور قدرتِ الٰہی کے قبضہ میں کہہ رہے ہیں۔ کسی کا مشرک ہونا اس صورت میں ثابت ہوگا جب وہ بے عطائے الٰہی، اللہ کی صفات اپنے میں یا کسی اور میں ثابت کرے۔ باذن اللہ یا بعطائے الٰہی کہنے سے شرک ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باذن اللہ یعنی 'اللہ تعالیٰ کے حکم سے' کا لفظ استعمال کیا۔

اس حقیقت کو جان لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ کمالات اور صفات اس کے انبیاء اور اولیاء کیلئے ثابت کرتے ہیں اور ان کی ان صفات کو عطائے الٰہی جانتے ہیں وہ ہرگز مشرک نہیں ہوسکتے۔ ہاں جو انبیاء و اولیاء کے کمالات و صفات کو بے عطائے الٰہی یا ان کے ذاتی کمالات یا لا محدود صفات مانتے ہیں بلا شبہ ایسے لوگ مشرک ہوں گے کیونکہ صفات صرف اس ذات والاصفات کیلئے مخصوص ہیں جو ساری کائنات کا ربّ ہے۔

اگر ہم ایک انسان کی صفات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات سے اپنے بندوں کو اُن کی حیثیت کے مطابق نوازا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام 99 ہیں۔ان میں سے بعض صفاتی ناموں کی جھلک اُس کی مخلوق میں بھی دکھائی دیتی ہے مثلاً

☆ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام مومن ہے لیکن قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر اسلام کے ماننے والوں کو مومن کہا گیا ہے۔ لہٰذا اللہ بھی مومن اور اُس کے نیک بندے بھی مومن۔ کیا بندے اللہ کے شریک ہیں؟ ہر گز نہیں۔اشتراکِ لفظی کو جو لوگ شرک کہتے ہیں اُنہیں چاہئے کہ خود کو مومن نہ کہیں کیونکہ اُن کے نزدیک یہ شرک ہو جائے گا۔

☆ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو مولانا کہا گیا ہے۔ جبکہ مساجد کے مولویوں کو بھی مولانا کہا جاتا ہے۔ اللہ بھی مولانا اور نماز پڑھانے والا مولوی بھی مولانا۔ کیا یہ عمل شرک ہے؟ اشتراکِ لفظی کو جو لوگ شرک جانتے ہیں اُنہیں چاہئے کہ وہ خود کو مولانا نہ کہیں کیونکہ اُن کے نزدیک یہ عمل شرک ہو جائے گا۔

☆ اللہ کا ایک صفاتی نام غنی ہے لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غنی کا لقب عطا فرمایا لہٰذا اللہ بھی غنی اور حضرت عثمان بھی غنی، کیا یہ شراکت شرک ہے؟ کیا اللہ کے نبی نے حضرت عثمان کو غنی کا لقب عطا کر کے نعوذ باللہ شرک کی تعلیم دی؟ ہر گز نہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام علی بھی ہے جبکہ یہی نام صحابیٔ رسول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے۔ اللہ بھی علی اور حیدر کرار بھی علی کیا یہ نام کی لفظی شراکت شرک ہے؟

☆ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام نافع بھی ہے جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شاگرد کا نام بھی نافع تھا، کیا یہ شرک ہے؟

☆ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام مالک ہے مگر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کیلئے جس فرشتے کو داروغہ بنایا اُس فرشتہ کا نام بھی مالک ہے لہٰذا اللہ بھی مالک اور فرشتہ بھی مالک، کیا یہ اشتراکِ لفظی شرک ہے؟ اسی طرح فقہ کے ایک بہت بڑے امام کا نام بھی مالک تھا جنہیں امام مالک کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ کیا حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ نے اپنا نام مالک رکھ کر شرک کیا؟

☆ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام وکیل بھی ہے مگر آج کے جدید دور میں بہت سے مولوی ایسے بھی ہیں جو ایڈووکیٹ یعنی وکیل ہیں جو کچہریوں میں جا کر وکالت کرتے ہیں۔ اللہ بھی وکیل اور کچہریوں میں وکالت کرنے والے بھی وکیل، کیا یہ اشتراک شرک ہے؟ جو لوگ اللہ کے صفاتی نام کے ساتھ لفظی اشتراکت کو شرک مانتے ہیں اُنہیں چاہئے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ ایڈووکیٹ کا لفظ ہٹا دیں اور نہ ہی کسی ایڈووکیٹ سے قانونی معاملات حل کرائیں کیونکہ اُن کے نزدیک وکیل صرف اللہ ہے کوئی دوسرا نہیں۔

معلوم ہوا جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں ان صفات کی جھلک اس کی مخلوق میں بھی پائی جاتی ہے۔ اللہ کی صفات ذاتی قدیمی لامحدود ہیں جبکہ مخلوق کی صفات حادث محدود اور عطائی ہیں۔ اسی طرح دیگر صفات بھی لیتے جائیے مثلاً

☆ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ حی یعنی زندہ ہے، ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ مگر اس صفت سے ہم انسانوں کو بھی نوازا اس کا زندہ ہونا قدیمی، ذاتی، لامحدود اور ہمیشہ تک ہے جبکہ ہمارا زندہ ہونا محدود، عطائی اور حادث ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام سمیع و بصیر بھی ہے جو ہر چیز کو سننے اور دیکھنے والا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ان اللّٰه كان سميعا بصيرا (سورۂ نساء:۵۸)

بے شک اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

مگر ہم انسانوں کو بھی سمیع و بصیر کی صفت عطا فرمائی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فجعلنٰه سميعا بصيرا (سورۂ دہر:۲)

ہم نے انسانوں کو سمیع و بصیر بنایا۔

اللہ تعالیٰ کا سمیع و بصیر ہونا قدیمی، ذاتی اور لامحدود ہے جبکہ ہم انسانوں کا سمیع و بصیر ہونا حادث، عطائی اور محدود ہے۔

وہ علیم یعنی ہر چیز کا علم رکھنے ولا ہے مگر اس نے ہم انسانوں کو بھی علم عطا فرمایا۔ اس طرح بہت سی صفات سے اپنے بندوں کو سرفراز کیا۔ مگر حسبِ مراتب کسی کو کم، کسی کو زیادہ، کسی کو ہزار برس کی زندگی عطا فرمادی تو کسی کو صرف چند سانس عطا کردیے۔ کسی کو اتنی قدرت عطا کردی کہ چند پاؤ وزن بھی چند قدم نہ پہنچا سکے اور آصف بن برخیا کو اتنی قدرت عطا کردی کہ انہوں نے ملک سبا کی ملکہ بلقیس کا سینکڑوں من وزنی تخت جو ساتویں محل کے اندر تالے میں بند کر کے رکھا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم پاتے ہی پلک جھپکنے سے پہلے سینکڑوں میل کی مسافت سے ان کی خدمت میں لاکر رکھ دیا۔

اس واقعہ کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح دیکھنے اور سننے کا حال ہے کہ کسی کی تو یہ حالت ہے کہ باوجود قریب ہونے کے نہ تو دیکھ سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے اور کسی کو یہ خوبی عطا فرمادی کہ وہ ایک مقام پر کھڑا ہو کر مشرق سے مغرب تک بسنے والوں کو سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا فرمایا ہے ایک فرشتہ قیامت تک کیلئے متعین فرمایا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ جو اُمتی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُرود پڑھے تو وہ فرشتہ کہتا ہے:

وانت صلى الله عليك یعنی تجھ پر اللہ تعالیٰ رحمت کرے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانے میں بلعم بن باعورہ زمین پر بیٹھ کر عرشِ اعظم کو دیکھ کر لوگوں کی تقدیر کا حال معلوم کر لیتا تھا۔

اسی طرح علم کی کیفیت ہے کہ ایک شخص تو ایسا ہے جو صرف اپنے گھر کی چند باتوں ہی کا علم رکھتا ہے اور ایک حضرت آدم علیہ السلام کا علم ہے کہ تمام عالم میں سے کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی جس کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو نہ دیا گیا ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وعلم آدم الاسمآء کلها (سورۂ بقرہ:۳۱)

اور سکھا دیئے اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو سب چیز کے نام۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتی صفات میں اپنی بعض صفات اپنی مخلوق کو عطا فرمائی ہیں اور اس میں بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان عطا کردہ صفات میں خواہ کسی کو کتنی ہی فضیلت کیوں نہ دی گئی ہو مگر پھر بھی خداوند قدوس کی صفات ذاتیہ کے مقابلے میں انکی صفات اتنی بھی تو اہمیت نہیں رکھتی جتنا لاکھوں سمندروں کے مقابلے میں ایک قطرہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ذاتی، ازلی، ابدی، لامتناہی، لامحدود، قدیمی اور ناپید در یا کنار ہیں جبکہ مخلوق کی صفت عطائی، حادث، محدود ہے۔ مخلوق کی صفت خواہ کتنی ہی وسعت کیوں نہ رکھتی ہو مگر اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں محدود ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات پر کسی غیر کا قابو واختیار نہیں جبکہ مخلوق کی صفت اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ مخلوق کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کر دیا تو ایسا کہنے والا یقیناً گمراہ اور جہنمی ہے کیونکہ جو صفات مخلوق کی ہیں وہ صفات ہرگز اللہ تعالیٰ کی نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ مخلوق کی صفت محدود، حادث، عطائی اور بارگاہِ خداوندی کے دستِ قدرت میں مجبور ولاچار ہے جب چاہے اللہ تعالیٰ اس سے چھین لے۔

از روئے ایمان بتایئے کیا ایسی محدود، عطائی، مجبور ولاچار صفات اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہیں؟ اگر ایسی صفات اللہ تعالیٰ کی نہیں تو مخلوق کی صفات سے شراکت کیسی؟ جب شراکت کا شائبہ تک نہیں تو پھر شرک کیسا؟

مسلمانو! یاد رکھئے اگر اللہ تعالیٰ کی ذاتی، ازلی، لامحدود، ابدی پاک ومنزہ صفات کو مخلوق کی عطائی، محدود، حادث، صفات سے ملاؤ گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ کیونکہ تم نے لامحدود کو محدود، ذاتی کو عطائی، قدیم کو حادث، پاک ومنزہ کو مخلوق سے ملا دیا جو کفر ہے۔

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ حاضر و ناظر، حیاۃ النبی، نور، غیب داں، نفع ونقصان کے مالک ومختار، مددگار، بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ اور شفاعت کرنے والے ہیں۔ اگر ان کا یہ عقیدہ اس بنیاد پر ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ تمام کمالات و اعزازات اور صفات و مراتب ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں تو وہ ہرگز شرک نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر ان تمام مراتب وکمالات اور صفات کو بے عطائے الٰہی یا ان کے ذاتی کمالات و صفات کہیں گے تو وہ مشرک ہو جائیں گے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کن کن صفات سے نوازا اور ان صفات میں دیگر مخلوق سے کیسا ممتاز فرمایا اس کا احاطہ کرنا انسان کے بس میں نہیں۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذاتِ خدا کے مظہر اتم ہیں۔ آپ کو جو صفاتِ کاملہ عطا کی گئیں مخلوق میں کسی اور کو عطا نہیں کی گئیں۔ آپ صفاتِ الٰہی کے آئینہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی صفات سے آپ کو نوازا جو کسی طرح شرک نہیں ہو سکتا۔ مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وان اللہ رؤف رحیم (سورۂ نور:۲۰)

اور یہ کہ اللہ تم پر نہایت مہربان رحم والا ہے۔

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رؤف اور رحیم کو بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رؤف و اور رحیم اللہ کی صفت ہے مگر قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

بالمؤمنین رؤف رحیم (سورۂ توبہ:۱۲۸)

مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

غور فرمایئے رؤف ورحیم ہونا اللہ کی صفت ہے مگر یہی صفت قرآن مجید میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی بیان کی گئی ہے۔ ذرا سوچئے کیا اللہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رؤف ورحیم بنا کر خود شرک فی الصفات کا دروازہ کھولا ہے؟ اور سنئے!

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

ان العزة لله جميعا (سورۂ یونس:۶۵)

بے شک عزت ساری اللہ کیلئے ہے۔

اس آیتِ مقدسہ سے واضح ہوا کہ تمام عظمتیں اور عزتیں صرف اللہ ہی کیلئے ہیں۔ مگر دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وللّٰه العزة ولرسوله وللمؤمنين (سورۃ المنافقون:۸)

اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کیلئے ہے۔

اس آیتِ مبارکہ پر بھی غور فرمایئے اس سے اوپر والی آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا کہ تمام عزتیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہیں مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ عزت والے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر مومنین بھی ہیں۔ ذرا بتایئے عزت والا ہونا اللہ کی صفت ہے یا نہیں؟ یقیناً ہے تو اس صفت میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر مومنین کو شامل کر کے کیا اللہ نے شرک فی الصفات کا دروازہ خود کھولا ہے اور کیا اللہ شرک کی تعلیم دے گا؟ (نعوذ باللہ) ذرا سوچئے آخر ایسا کیوں ہے؟ بات یہاں بھی وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں کسی کی عطا کردہ نہیں جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا رؤف و رحیم ہونا اس کی اذاتی صفت ہے جو کسی سے حاصل نہیں کی بلکہ خود بخود اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہے جبکہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رؤف و رحیم ہونا ذاتی نہیں بلکہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عزت والا ہونا ذاتی صفت ہے کسی کے عطا کرنے سے اللہ کو عزت نہیں ملی بلکہ خود بخود اللہ کی ذات سے مخصوص ہے جبکہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کا عزت والا ہونا خود بخود نہیں بلکہ اللہ نے عزت والا بنایا تو آپ عزت والے ہوئے۔

اس کے علاوہ اللہ کا رؤف و رحیم اور عزت والا ہونا قدیمی، ازلی، ابدی، لامتناہی اور لامحدود ہے جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رؤف و رحیم اور عزت والا ہونا حادث، متناہی، عطائی اور محدود ہے۔ اب اگر کوئی اللہ ہی کو رؤف و رحیم کہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ کہے، ایسا شخص گمراہ اور بے دین ہے لہٰذا جو اہل ایمان ہے جہاں وہ اللہ کو رؤف و رحیم اور عزت والا کہے گا وہاں وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی رؤف و رحیم اور عزت والا کہے گا اور یہی منشائے الٰہی ہے جو کسی طرح شرک نہیں۔

اس حقیقت کو جان لینے کے بعد اب اگر کوئی یہ کہہ دے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت کو اللہ تعالیٰ کی صفت سے ملا دیا لہٰذا یہ شرک ہے، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا جہنمی ہے کیونکہ لامحدود کو محدود سے ملانا سوائے گمراہی اور بے دینی کے کچھ نہیں۔

اب اسی طرح سے دیگر صفات کو بھی لیتے جایئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

یا یہا الانسان ما غرک بربک الکریم (سورۃ الانفطار:۶)

اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ نے اپنی صفت کریم کا ذکر فرمایا ہے کہ جس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ اس کی صفت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرح کسی غیر خدا کو کریم مانا تو یہ شرک ہو جائے گا مگر قرآن مجید میں اللہ اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

انہ لقول رسول کریم (سورۃ التکویر:۱۹)

بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔

غور فرمایئے مذکورہ بالا آیتِ مقدسہ میں یہی کریم کا لفظ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی کریم تو اس کا رسول بھی کریم۔ کیا یہ شراکت شرک ہے؟ کیا اللہ نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کریم بنا کر اپنا شریک کیا ہے؟ کیا اللہ نے شرک فی الصفات کا دروازہ خود کھولا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر یہ مماثلت کیوں؟ تو اس کی وجہ بھی یہی ہے جو پہلے بتائی جا چکی ہے کہ اللہ کا کریم ہونا ذاتی، قدیمی، لامحدود، لامتناہی، ازلی و ابدی ہے۔ جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کریم ہونا خود بخود نہیں اور نہ ہی قدیمی، لامحدود، لامتناہی اور ازلی و ابدی ہے۔ اللہ نے آپ کو کریم بنایا تو آپ کریم ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کریم ہونا محدود، حادث، متناہی اور عطائی ہے اور یہ صفات اللہ کی نہیں ہو سکتیں۔

اللہ حقیقی حاکمِ کائنات ہے

پیارے مسلمانو! ہر مسلمان کا یہ ایمانِ کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کل جہاں کا حکم ہے۔ اس ربّ کائنات کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا ہر مومن پر فرض ہے۔ وہ خالق کائنات، مالکِ کائنات، مختارِ کل اور حاکمِ کل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس کی ذات کی طرح قدیمی، ذاتی، لامتناہی، لامحدود، ابدی اور ازلی ہے۔ اس ربّ کائنات کی اس پاک ومنزہ صفت میں کسی مخلوق کی رسائی ممکن نہیں۔ ہر مخلوق اسکے حکم کی محتاج اور وہ ہر مخلوق کا حاکمِ کل ہے اسکی حاکمیت میں کسی غیر کی شراکت کسی بھی طرح ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا واضح اور دوٹوک اعلان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یا یہا الذین اٰمنوآ اطیعوا اللّٰہ (سورۂ محمد:۳۳)

اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو۔

قرآن مجید میں اور کئی مقامات پر اسی قسم کا حکم ارشاد فرمایا گیا۔ جس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کا حاکم، مالک ومختار ہے اور اس مالک کے حکم کی بجا آوری کرنا مخلوق پر لازم ہے۔ زمین وآسمانوں میں جو کچھ ہے سب اس کے حکم کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت سے اپنے محبوب پیغمبر کو بھی نوازا ہے اور اس مالکِ کائنات کا یہ حکم بھی ہے کہ اس کے محبوب رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی حاکم مانا جائے۔ ان کی اطاعت وفرمانبرداری کو بھی اپنے لئے لازم کرلیا جائے۔ قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ کے ارشادات موجود ہیں جن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور حکم کی بجا آوری کی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (سورۂ نساء:۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

یا یہا الذین اٰمنوآ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول (سورۂ نساء:۵۹)

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قل اطیعوا اللّٰہ والرسول (سورۂ آل عمران:۳۲)

تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون (سورۂ نور:۵۶)

اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس اُمید پر کہ تم پر رحم ہو۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطوآ اعمالکم (سورۂ محمد:۳۳)

اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔

مسلمانو! قرآن مجید کی مذکورہ آیاتِ مبارکہ سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری کو لازم قرار دیا آپ کے حکم کو اپنا حکم، آپ کے انکار کو اپنا انکار قرار دیا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے:

ومآ اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا (سورۂ حشر:۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ میں بھی واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا کہ اے مومنو! میرے محبوب نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حکم کی بجا آوری زندگی کے ہر شعبے میں کرو۔ حکم رسول کے آگے سرِ تسلیم خم کردو اور جس بات کا آپ حکم دے دیں بغیر چوں چرا کے اسے مان لیا کرو اور جس سے منع فرمادیں اس سے بغیر کسی تاخیر کے رُک جایا کرو۔

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (سورۂ نجم:۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو نہیں کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ حکمِ الٰہی ہوتا ہے۔ چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال میں فنا کے اس اعلیٰ مقام پر ہیں کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا بلکہ آپ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلا ہوا ہر لفظ فرمانِ الٰہی ہوگیا۔ کتبِ احادیث میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا یہ دستور تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ سنتا وہ لکھ لیا کرتا۔ قریش کے بعض احباب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر قول لکھ لیا کرتے ہو۔ حالانکہ حضور انسان ہیں کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرمادیا کرتے ہیں چنانچہ میں نے لکھنا بند کردیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہِ رسالت میں ہوا اور میں نے کتابت بند کرنے کی وجوہات بیان کردیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عبداللہ تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلتی۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے بھی واضح ہوا کہ آپ کی زبان سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔ آپ کا حکم حکمِ الٰہی، آپ کا انکار انکارِ الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

یا یھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (سورۂ انفال:۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی پکار پر حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں ایسی چیز کیلئے پکاریں جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں مومنوں کو یہ حکم ارشاد فرمایا کہ اے مومنو تم چاہے کہیں بھی ہو، چاہے کسی حال میں بھی ہو جب اللہ اور رسول کی آواز تمہارے کان میں پڑ جائے تو تم اپنے تمام معاملات کو ترک کر دو ایک لمحہ کی بھی تاخیر مت کرو بلکہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہہ کر حاضر ہو جاؤ۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں آواز دی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوچ میں پڑ گئے کہ حالتِ نماز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جواب کیسے دوں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فوراً بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے اور عرض کر دیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نماز پڑھ رہا تھا اس لئے حاضر نہ ہو سکا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم

اللہ اور رسول کی پکار پر حاضر ہو جاؤ۔ (ترمذی، جلد۲ صفحہ۱۱)

محترم مسلمانو! اس واقعے میں غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پکارا تھا اللہ تعالیٰ نے نہیں۔ مگر آپ نے پڑھا کہ پکار اللہ اور رسول کی ہی کہلائی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کو اللہ تعالیٰ کا عمل ظاہر کیا گیا۔

جب کفارِ مکہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا پروگرام بنالیا تو رات کی تاریکی میں چاروں طرف سے آپ کے مکان کو گھیر لیا۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفاروں کے ناپاک عزائم کا پتا چلا تو اپنے بسترِ نبوت پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلا دیا اور خود باہر تشریف لے آئے۔ چاروں طرف کفارِ مکہ گھات لگائے کھڑے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریوں کی بھر کر کفار کے لشکر پر پھینک دی کفار اندھے ہوگئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخیر و عافیت وہاں سے نکل گئے۔

محترم مسلمانو! اگر میں آپ سے یہ پوچھوں بتاؤ کنکریاں کس نے پھینکیں تھیں تو آپ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھینکیں۔ اگر کفارِ مکہ سے پوچھا جائے تو وہ بھی یہی جواب دینگے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھینکیں تھیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے کلام سے پوچھا جائے اے اللہ تعالیٰ کے سچے کلام تو بتا کہ کنکریاں کس نے پھینکیں تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى (سورۂ انفال:۱۷)

اے پیغمبر جب آپ نے ان کنکریوں کو پھینکا تو آپ نے نہیں پھینکا تھا بلکہ ان کنکریوں کو تو اللہ نے پھینکا تھا۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کنکریاں جنگِ بدر کے موقع پر کفار پر پھینکی تھیں۔

مسلمانو! ان دونوں اقوال پر ذرا غور کیجئے ہر دیکھنے والی آنکھ یہی کہے گی کہ کنکریاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھینکی تھیں مگر آپ نے پڑھا وہ کنکریاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنا عمل قرار دیا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کا تعلق خاندان قریش کے باعزت گھرانے سے تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رشتہ مانگا۔ حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن ہی سے غلامی کی زندگی بسر کرتے آئے تھے اسلئے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی عبداللہ بن جحش نے رشتہ دینے سے انکار کردیا کہ ایک قریشی صاحبزادی ہرگز ایک غلام کے نکاح میں نہیں دی جاسکتی۔ فوراً جبرائیل امین فرشِ زمین پر نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام ارشاد فرمایا:

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة
من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضللا مبينا (سورۂ احزاب:۳۶)

اور اللہ اور رسول جب کسی مومن بندے یا مومن بندی کو کسی بات کا حکم فرمادیں تو پھر انہیں اپنے معاملہ کا کوئی اختیار نہیں رہتا اور جو شخص اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

مسلمانو! ذرا دل کی نگاہ کھول کر دیکھئے کہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کا حکم کس نے دیا؟ ہر کوئی یہی کہے گا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کا حکم دیا مگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کو اپنا حکم فرمایا تو معلوم یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی نافرمانی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چودہ سو صحابہ کرام کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے مکہ مکرمہ روانہ ہوتے ہیں اور مقامِ حدیبیہ پر اپنے صحابہ کے ہمراہ خیمہ زن ہوتے ہیں۔ کفارِ مکہ یہ نہیں چاہتے کہ آپ عمرہ ادا کریں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا۔ اسی دوران یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا اور بیعت کرنے کی دعوت دی۔ اس بیعت کا مقصد یہ تھا کہ جب تک ہمارے جسم میں ایک قطرہ بھی باقی ہے ہم کفارِ مکہ کے خلاف میدانِ جنگ میں ڈٹے رہیں گے۔ لہٰذا تمام صحابہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ صحابہ کرام بڑی جانبازی اور سرفروشی کے عالم میں بیعت کرتے گئے کہ وہ کسی صورت میں راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ صحابہ کرام کے اس شوق و جذبہ کے باعث اس بیعت کا نام رضوان رکھا گیا۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ جب تمام صحابہ بیعت کر چکے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

ان عثمان فی حاجۃ اللّٰہ و رسولہٖ

بے شک عثمان اس وقت اللہ اور اس کے رسول کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

چنانچہ آپ نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: ھٰذہٖ لعثمان یہ حضرت عثمان کی بیعت ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۵۶۱)

مسلمانو! تاریخِ اسلام کے اس یادگار اور تاریخ ساز واقعہ پر غور کیجئے۔ ذرا بتایئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح کیلئے سفیر بنا کر کس نے بھیجا۔ آپ یہی کہیں گے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیجا۔ لیکن آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عثمان اللہ اور رسول کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کام درحقیقت اللہ ہی کا کام ہے۔ ذرا بتایئے صحابہ کرام نے بیعت کس کے ہاتھ پر کی۔ آپ یہی جواب دیں گے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کی۔ مگر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ (سورۂ فتح:۱۰)

جن لوگوں نے اے محبوب آپ سے بیعت کی انہوں نے اللہ سے بیعت کی۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنا دراصل اللہ سے بیعت کرنا ہے۔ ذرا یہ بھی بتایئے کہ صحابہ کرام نے اپنا ہاتھ کس کے ہاتھ پر رکھا۔ ہر دیکھنے والی آنکھ یہی کہے گی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر رکھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کس کے ہاتھ پر رکھا۔ صحابہ کے ہاتھ پر رکھا۔ مگر قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

ید اللّٰہ فوق ایدیھم (سورۂ فتح:۱۰)

یعنی صحابہ کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

قرآن مجید کے مذکورہ ارشادات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے۔ آپ کا عمل اللہ تعالیٰ کا عمل ہے۔ آپ کا بولنا اور ہنسنا، خاموش رہنا اور دیگر عمل کرنا سب حکمِ الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاکم اور مختار بنایا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے مظہر اور آئینہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اور ارشاد فرمایا:

وماآ ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ (سورۃ نساء:۶۴)

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

مذکورہ آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنا اختیار دیا اس کا احاطہ عقل انسانی ہرگز نہیں کر سکتی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہر مومن مرد و عورت بلکہ ہر مخلوق پر فرض ہے۔ جو حکمِ رسول سے انکار کرتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قانونِ شریعت کے مالک اور کائنات کے ذرّے ذرّے کے حاکم و مختار ہیں۔ آپ اللہ کے اذن سے جس کو جیسا چاہیں نواز دیں۔

ہر کوئی جانتا ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں پانچ وقت کی نمازوں میں سے ایک وقت کی نماز کم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں مگر ایک دفعہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اس شرط پر اسلام قبول کیا کہ دن میں صرف دو ہی نمازیں ادا کروں گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا اسلام قبول فرمالیا۔

آج اگر کوئی ہندو یا عیسائی اس شرط پر مسلمان ہو کہ وہ صرف دو ہی نمازیں پڑھے گا تو یہ حق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی کو حاصل نہیں کہ وہ اس شرط پر اسے مسلمان کرے۔ پوری اُمت کیلئے پانچ وقت کی نمازیں فرض مگر اس شخص کیلئے دو نمازیں۔ یہ کمال و اختیار صرف حضور ہی کو حاصل ہے۔

ہر اہلِ علم کو یہ معلوم ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے دو مسلمانوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی اکثر معاملات میں مقرر فرمائی ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خرید لیا۔گھوڑا فروخت کرنے کے بعد وہ مکر گیا اور کہنے لگا کہ گواہ لاؤ کہ تم نے کس کے سامنے خریدا۔اتفاق کی بات کہ جس وقت گھوڑا خریدا اسوقت کوئی گواہ موجود نہیں تھا۔جو بھی مسلمان یہ سنتا وہ اعرابی کو جھڑکتا کہ اے اعرابی تیرے لئے خرابی ہو کہ رسولِ خدا حق کے سوا کیا فرمائینگے۔اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے اور گفتگو سن کر بولے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اپنا گھوڑا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فروخت کیا ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے خزیمہ! تم تو موجود نہ تھے پھر تم نے گواہی کیسے دی؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے جب میں زمین و آسمان کی خبروں پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں تو اعرابی کے مقابلے میں تصدیق نہ کروں۔آپ آسمان کی خبریں دیتے ہیں ہم قبول کرتے ہیں تو زمین کی خبر کی تصدیق نہ کروں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خزیمہ کا یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آیا اور اس بات کے انعام میں حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی دو مردوں کے برابر فرمادی اور فرمایا خزیمہ جس کسی کے نفع و نقصان کی گواہی دیں ایک انہی کی گواہی کافی ہے۔ (ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف، جلد ۳ صفحہ ۳۳۱)

ارشادِ خداوندی ہے:

واشھدوا ذوی عدل منکم (سورۂ طلاق:۲۰)

اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کر لو۔

حکمِ الٰہی بھی یہی ہے کہ اکثر معاملات میں دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کر لیا جائے مگر حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں کا اندازہ لگایئے کہ آپ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکمِ قرآن سے مستثنٰی قرار دیا اور ان کی اکیلے کی گواہی دو مردوں کے برابر قرار دے دی۔معلوم ہوا کہ آپ احکامِ شریعت کے مالک و مختار ہیں۔

اہلِ علم حضرات اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ شریعت میں مسلمان مرد کیلئے سونا پہننا حرام ہے کسی مسلمان مرد کیلئے سونے کی انگوٹھی یا کوئی سونے کا زیور پہننا جائز نہیں مگر جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے جب سارا مال تقسیم کر چکے تو ایک سونے کی انگوٹھی بچ گئی۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو نظر اُٹھا کر دیکھا اور حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا بیٹھ جاؤ۔حضرت براء بیٹھ گئے۔حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگوٹھی لے کر حضرت براء کی کلائی تھام لی اور ارشاد فرمایا پہن لے جو کچھ تجھے اللہ کے رسول پہناتے ہیں۔حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ انگوٹھی پہن لی۔ (ملاحظہ کیجئے ابن ابی شیبہ، الامن والعلی، صفحہ ۱۶۸)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس چیز سے کسی کو روک دیں وہ ناجائز و حرام ہو جاتی ہے اور جس کسی کو اجازت دے دیں اس کیلئے وہ جائز و حلال ہو جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ سونے کی انگوٹھی تمام مسلمان مردوں کیلئے پہننا ناجائز و حرام ہے جبکہ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے پہننا حلال و جائز۔

ایک صحابی سے رمضان کے مہینے میں روزہ ٹوٹ گیا۔ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے رمضان (حالتِ روزہ) میں اپنی بیوی سے صحبت کی۔ میں ہلاک ہوگیا۔ فرمایئے اب میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، غلام آزاد کرسکتے ہو؟ عرض کی نہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ارشاد فرمایا لگاتار دو مہینے روزے رکھ سکتے ہو؟ عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بھی نہیں کرسکتا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کھجوروں کا تحفہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ ساری کھجوریں اس صحابی کو دے دیں اور ارشاد فرمایا، انہیں خیرات کردو تمہارا کفارہ ادا ہوجائے گا۔ صحابی عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پورے مدینہ میں مجھ سے زیادہ محتاج کوئی نہیں۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابی کی یہ بات سن کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا: اذھب فاطعم اھلک جا اپنے گھر والوں کو ہی کھلا دے، تیرا کفارہ ادا ہوجائے گا۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف، جلد اوّل صفحہ ۲۶۰)

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ معمول تھا کہ بتقاضائے بشریت اگر ان سے کوئی لغزش ہوجاتی تو فوراً دربارِ رسالت میں معافی طلب فرماتے۔ لاپرواہی سے ہرگز کام نہ لیتے۔ کتبِ احادیث میں بے شمار واقعات موجود ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنی غلطی کا تدارک کروانے کیلئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوجاتے۔ ان کا یہ ایمان تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مظہر اور احکامِ شریعت کے حاکم اور مالک و مختار ہیں۔ شریعت ان کے حکم ہی کا نام ہے۔ ان کا حکم حکمِ الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صحابی سے فرمایا، غلام آزاد کرسکتا ہے؟ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھ سکتا ہے؟ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاسکتا ہے؟ وہ صحابی یہی عرض کرتے رہے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ کام میرے بس میں نہیں۔ وہ صحابی جانتے تھے کہ روزہ ٹوٹنے پر کفارہ کی یہی تین صورتیں ہیں مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہیں تو ان تین قسموں کے علاوہ کوئی چوتھی قسم کا کفارہ بھی ارشاد فرماسکتے ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ کھجوریں غریبوں میں بانٹ دو یہی تمہارا کفارہ ہے۔ جب صحابی نے یہ عرض کی کہ پورے مدینہ منورہ میں مجھ سے زیادہ غریب کوئی نہیں تو فرمایا کہ جاؤ تم خود ہی کھالو، یہی تمہارا کفارہ ہے۔

غور فرمایئے اگر کوئی مسلمان روزہ توڑ دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ غلام آزاد کرے، یا متواتر ساٹھ روزے رکھے یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم تمام مسلمانوں کیلئے ہے۔ مگر وہ صحابی اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ پوری اُمت کیلئے حکم ایک مگر ایک صحابی کیلئے یہ حکم نہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم حکمِ الٰہی ہے جسے جیسا چاہیں نواز دیں۔

مسلمانو! ان چند ایمان افروز واقعات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاکمِ شریعت اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں۔ آپ کو یہ مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے حاصل ہے کہ آپ جسے چاہیں اور جیسا چاہیں نواز دیں۔ آپ حکمِ شریعت کے مالک و مختار ہیں۔ آپ کا حکم حکمِ خداوندی ہے۔ کائنات کی کسی شے کی یہ مجال نہیں جو حکمِ رسول سے سرتابی کرے۔ کائنات کی ہر شے حکمِ رسول کی تابع ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے کائنات کی کوئی شے بالاتر ہیں ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا محتاج ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عطا سے حکمِ رسول سے کوئی شے بالاتر نہیں۔ آپ تمام کائنات کے حاکم و مالک ہیں اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ آپ کے حکم کا محتاج ہے۔ جس کا اندازہ حسب ذیل ایمان افروز واقعات سے مزید اور لگایئے۔

زمین کی اطاعت گزاری

جس رات اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا اس رات کفارِ مکہ آپ کو شہید کرنے کا مکمل ارادہ کر چکے تھے۔ مکان کے چاروں طرف مسلح پہرے لگا دیئے گئے تاکہ آپ کو کسی طرح نکلنے نہ دیا جائے لیکن شانِ قدرت دیکھئے کہ وہ آپ کو دیکھ نہ سکے اور آپ مسکراتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر گئے اور ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ آپ اپنے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کفارِ مکہ کو جب اس حقیقت کا علم ہوا تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ فوراً ہی یہ فیصلہ کیا کہ ابھی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے فوراً ان کا تعاقب کیا جائے تو با آسانی پکڑا جا سکتا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد مکے کی گلیوں میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سرخ اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔

سراقہ عرب کا مانا ہوا بہادر اور شہسوار تھا۔ اعلان سنتے ہی لالچ میں آ گیا فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور برق رفتاری سے گھوڑا دوڑا دیا اور آن کی آن میں قریب پہنچ گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قابو کرنے کیلئے جونہی قدم آگے بڑھایا ایک پُر جلال آواز حضور کی زبانِ حق سے نکلی یا ارض خذیہ 'اے زمین اسے پکڑ لے' حکم سنتے ہی زمین کا کلیجہ پھٹ گیا اور سراقہ کے گھوڑے کا پاؤں زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے ہزار ہا کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا آخر مجبور ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رحم کی درخواست کرنے لگا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحم آ گیا اور زمین سے فرمایا یا ارض اطلقیہ اے زمین اسے چھوڑ دے۔ حکم سنتے ہی زمین نے اسے آزاد کر دیا اور شرمندہ ہو کر واپس جانے لگا۔ کچھ ہی دور چلا ہو گا کہ حرص و طمع کا شیطان پھر دل پر مسلط ہوا گھوڑے کی باگ پھر موڑی۔ تعاقب کرتے ہوئے جیسے ہی قریب پہنچا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمین کو پھر حکم دیا۔ حکم سنتے ہی دھرتی کا کلیجہ شق ہوا اور سراقہ اپنے گھوڑے سمیت گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ پھر وہ رحم رحم پکارنے لگا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پھر رحم آیا اور اس دشمن کو زمین سے آزاد کرایا۔

سراقہ مایوس و نامراد ہوکر واپس جانے لگا تھوڑے فاصلے پر پہنچا ہوگا کہ شیطان نفس نے پھر لالچ دیا سرخ اونٹوں کا انعام کسی طرح چین نہیں لینے دیتا تھا وہ شیطان کے فریب کا شکار ہوکر پھر واپس پلٹا جیسے ہی قریب پہنچا سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمین کو پھر حکم دیا۔ حکم پاتے ہی زمین کا دھانہ کھلا اور سراقہ کو بری طرح جکڑ لیا۔ سراقہ رحم کی اپیل کرنے لگا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراقہ کو پھر موقع دیا۔ لیکن بار بار تنبیہ کے باوجود جب سراقہ باز نہ آیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراقہ کو مخاطب کر کے فرمایا اے سراقہ سرخ اونٹوں کے لالچ میں اپنی تقدیر سے کیوں جنگ کر رہے ہو۔ تمہارا مستقبل میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ جن کا کلمہ پڑھنا تیرے نصیب میں لکھا ہے تو انہی کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ میں تمہاری کلائیوں میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ وہ دن دور نہیں جب تمہارا سینہ اسلام و ایمان کی دولت کا گنجینہ بن جائے گا۔ مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ باتیں سراقہ کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہوگئیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں دولتِ ایمان سے سرفراز ہوگئے۔ حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسریٰ کے کنگن پہننے کا یقین تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس رسول نے جبرائیل و میکائیل، عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و دوزخ، ظاہر و باطن کی خبر دی، اسی رسول نے کنگن پہننے کی بھی اطلاع دی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسلامی لشکر نے دنیا کی سب سے بڑی طاقت ایران کو اپنے قدموں سے روند ڈالا تھا اور تاریخ میں پہلی بار کسریٰ کے ایوانوں میں اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ شہر مدینہ ایران کی فتح سے خوشیوں اور مسرتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ امیر المؤمنین نے سب سے پہلے کسریٰ کے کنگن دریافت کیے۔ تلاش کے بعد جب وہ مل گئے تو حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی گئی۔ اس وقت سراقہ کا ذوق قابل دید تھا وہ مسکراتے ہوئے اُٹھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھ سے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسریٰ کے سونے کے کنگن پہنائے۔ پھر ارشاد فرمایا اے لوگو! کل قیامت میں آپ گواہ رہنا کہ سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنا کر میں نے اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان پورا کردیا۔ (ملاحظہ کیجیے معجزات خاتم المرسلین)

چاند کی اطاعت گزاری

اسلام کے ابتدائی دِنوں میں عرب کا ذرّہ ذرّہ عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خون کا پیاسا تھا اور کفر و باطل کی زہریلی ہوائیں اسلام کے گلشن کو جھلسا کر راکھ کردینا چاہتی تھیں۔ جب کافروں کے سردار ابوجہل لعین نے بعض شمع رسالت کے پروانوں کو دامن اسلام سے وابستہ ہوتے دیکھا تو دین حق کی اشاعت روکنے کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ اسی خیال سے ایک دن اپنے حبیب نامی دوست کو اطلاع دی جو یمن کا رہنے والا تھا اور یمن کا رئیس تھا۔ ابوجہل نے پیغام بھیجا کہ اے میرے دوست حبیب یمنی! مکہ میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتا ہے۔ لوگ ہمارے تین سو ساٹھ خداؤں کو چھوڑ کر اس کے ایک خدا پر ایمان لا رہے ہیں جس سے ہمارے خداؤں کی توہین ہو رہی ہے۔ اے میرے دوست تم فوراً مکہ آجاؤ تا کہ لوگوں کو اسلام سے روکا جائے شاید لوگ تیرے رُعب سے رُک جائیں۔ یہ خبر جب حبیب یمنی کو پہنچی تو وہ فوراً مکہ پہنچ گیا۔ مکہ پہنچتے ہی ابوجہل نے خوب خاطر تواضع کی اور ساری کہانی سنادی۔ روداد سننے کے بعد حبیب یمنی بولا ابوجہل میں نے تیری باتیں تو سن لی ہیں اب ذرا **محمد** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی باتیں بھی سن لوں تا کہ میں دُرست فیصلہ کرسکوں۔ ابوجہل یہ سن کو بوکھلا گیا مگر خاموش رہا۔

چنانچہ حبیب یمنی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کا وقت مانگا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وقت دے دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ حبیب ابن مالک کے مکان پر تشریف لائے جہاں بہت بڑی تعداد میں کفار موجود تھے۔ حبیب یمنی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلانے کا سبب پوچھا۔ حبیب یمنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلال و جمال کو دیکھ کر بولنے کی جرأت نہ کرسکا۔ صرف اتنا بول سکا کہ سننے میں آیا ہے کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایک نیا دین اسلام لیکر آئے ہیں اگر آپ نبی ہیں تو انبیاء سے تو معجزات ہوتے ہیں آپ کے پاس کون سا معجزہ ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے حبیب یمنی جو تو چاہے وہی معجزہ دکھا سکتا ہوں۔ حبیب یمنی بولا میں دو باتوں سے آپ کی سچائی کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ چاند جو اس وقت پوری تابانی پر ہے اسے دو ٹکڑے کرکے دِکھادو۔

کافروں کا گمان یہ تھا کہ جادو کا اثر آسمان پر نہیں چل سکتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حبیب یمنی کے اس مطالبے کو بخوشی مان لیا اور کوہِ صفا پر چلنے کا حکم دیا۔ وہاں پہنچ کر شہادت کی اُنگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ صاحب لولاک کے ایک ہی اشارے نے چاند کے جگر کو چیر کر رکھ دیا اور چاند دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ پھر دوسرے اشارے پر دونوں ٹکڑے باہم مل گئے۔ ملعون ابوجہل یہ معجزہ دیکھ کر کہنے لگا، **محمد** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بہت بڑا جادوگر ہے اس نے جادوگری کی انتہا کردی۔ (معاذ اللہ)

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے حبیب یمنی اب بتا تیری دوسری بات کون سی ہے؟ حبیب یمنی جو کافی حد تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متاثر ہوگیا تھا کہنے لگا حضور دوسری بات آپ خود ہی بتا دیں کہ اس وقت میرے دل میں کیا بات ہے تو مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے حبیب یمن سن، یمن میں تیرے گھر ایک لڑکی ہے جو اعضائے خمسہ یعنی ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، آنکھ وغیرہ کوئی بھی نہیں رکھتی یعنی بالکل ہی بے دست و پا ہے تو اس کی زندگی کو اپنے آپ پر بوجھ محسوس کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو اس مرض سے شفا ہو جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رحمت کی نظر ڈالتے ہوئے مزید فرمایا اے حبیب یمنی لے اب اسے شفا بھی بخش دی گئی ہے جا کے اپنے گھر میں اس کی تصدیق بھی کر لے۔ حبیب یمنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کو سن کر بے اختیار ہوگیا اور پکار اُٹھا: صدقت یا رسول اللّٰہ ! پھر ابوجہل سے مخاطب ہو کر بولا اے ابوجہل سن لے! اے کافرو تم بھی سن لو! اے مکہ پاک کی مقدس سرزمین گواہ رہنا آج میں ایمان اور یقین کے ساتھ توحید رسالت کا اقرار کرتا ہوں اور آج سے میں اسلام کا مبلغ ہوں۔

دولتِ ایمان کو سمیٹ کر جب حبیب یمنی اپنے گھر پہنچا تو رات کا وقت تھا اور مکان کا دروازہ بند تھا دروازہ پر دستک دی تو دستک کی آواز سن کر ایک لڑکی نے دروازہ کھولا جو اپنے منہ سے زور زور سے کلمہ طیبہ کا ورد کر رہی تھی۔ لڑکی کو دیکھ کر حبیب یمنی حیران و پریشان ہوگیا۔ لڑکی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو حبیب یمنی نے کہا بیٹی میں حیران تو اسلئے ہوں کہ تجھے یہ کلمہ کس نے سکھایا تُو تو ہاتھ پاؤں سے بالکل عاجز تھی یہ شفا کیسے ملی؟ لڑکی نے کہا ابا جان جب میں رات کو سوئی تو خواب میں مَیں نے دیکھا کہ ایک چاند سے زیادہ حسین صورت والے اپنی سیاہ زُلفوں کو اپنے مبارک کندھوں پر بکھیرے تشریف لائے مجھے نیند سے بیدار کر کے فرمانے لگے بیٹی ہم نے تیرے باپ کو مکہ میں کلمہ حق پڑھا کر اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا ہے اب تو بھی مسلمان ہو جا اور پڑھ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ جب میں ہوش میں آئی تو یہ کلمہ میری زبان پر تھا اور میں بالکل دُرست ہو چکی تھی۔

چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل پیش آیا۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وانشق القمر ○ وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر ○ (سورۃ قمر: ۱،۲)

اور چاند شق ہوگیا اور اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا ہے۔

علامہ قرطبی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت مشرکین کا نام لے لے کر فرمارہے تھے یا فلاں یا فلاں اشہدا اے فلاں اے فلاں اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور اس بات پر گواہ رہنا تمہاری خواہش پوری ہوگئی۔ (قرطبی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ کفار نے جب اس عظیم معجزہ کو دیکھا تو ایمان لانے کے بجائے انہوں نے کہا یہ نظر بندی کا اثر ہے اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کردیا ہے۔ چندروز بعد ایک قافلہ مکہ آنے والا ہے ہم اس سے پوچھیں گے۔ اس طرح اس جادو کی حقیقت خود بخود کھل جائے گی۔ جب وہ قافلہ مکہ آیا اور ان سے پوچھا گیا کہ فلاں رات کو چاند کے دو ٹکڑے ہوتے تم نے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں لیکن اس کے باوجود کفار ایمان نہ لائے۔

آج بھی بعض لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس عظیم الشان معجزے کے منکر ہیں ان کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں چاند پھٹ جانے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد قیامت کے دن چاند کے ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہے جس دن آسمان پھٹ جائے گا اور چاند اور تارے جھڑ کر بکھر جائیں گے۔

جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں اُن کا یہ اعتراض سراسر بکواس اور گمراہ کن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چاند کے پھٹ جانے کا جو ذکر فرمایا ہے اُس کے فوراً بعد یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ چاند پھٹ جانے کے بعد کفار نے کہا **يقولوا سحر مستمر** کہ یہ جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ اس آیت میں بالکل واضح ہے کہ جب کفارِ مکہ نے چاند کے پھٹ جانے کا معجزہ دیکھا تو اُسے جادو کہا۔ ذرا سوچئے جب قیامت کا دن ہوگا اُس دن آسمان پھٹ جائے گا چاند اور ستارے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں گے تمام انسان مر جائیں گے تو کیا اُس وقت بھی کوئی یہ کہے گا کہ یہ جادو ہے؟ ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا کہ چاند حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں دو ٹکڑے ہوا تھا۔ جسے مکہ کے کفار نے جادو کہا تھا۔

☆ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چاند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک دَور میں دو ٹکڑے ہوا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین سے فرمایا اس پر گواہ رہنا۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب، جلد اوّل صفحہ ۵۱۳)

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ دِکھایا۔ (بخاری کتاب المناقب، جلد اوّل صفحہ ۵۱۳)

☆ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ چاند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں شق ہوا تھا۔ (ایضاً)

غور فرمایئے مذکورہ بالا تینوں حدیثیں بخاری شریف کے ایک ہی باب میں موجود ہیں، جس سے چاند کے دو ٹکڑے ہونا ثابت ہے۔

سورج کی اطاعت گزاری

۷ ہجری کی بات ہے غزوۂ خیبر کی فتح کے بعد جب اسلامی لشکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت میں مقامِ صہبا میں آکر ٹھہرا تو عصر کا وقت تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ نمازِ عصر ادا کر چکے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس تشریف لائے تو سفر کی وجہ سے کچھ تھک گئے تھے اور آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جا بیٹھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا سر اقدس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو مبارک پر رکھ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ ادھر نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہے آنکھوں سے سورج غروب ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ دل میں یہ خیال بھی ہے کہ یہ وہ نماز ہے جس کی حفاظت کیلئے مالکِ کائنات نے قرآن مجید میں تاکید فرمائی ہے کہ حافظو علی الصلوات والصلوٰۃ الواسطی (نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً درمیانی نماز کی) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوچنے لگے اگر نماز کی ادیگی کیلئے سر اقدس کو ہٹایا تو محبوبِ خدا کے آرام میں خلل پڑے گا اور اس عمل سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت میں کہیں فرق نہ آجائے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سورج آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ شمع رسالت کے پروانے نے عشق نبی پر اپنی فرض نماز قربان کردی۔

عاشقِ رسول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ایمان افروز منظر جو اطاعتِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا بہترین نمونہ تھا جہاں ساکنانِ فرش، حاملانِ عرش اور کائنات کے ذرّے ذرّے نے دیکھا وہاں خود خالق کائنات نے بھی اپنے محبوب کی انمول محبت کا دلکش منظر ملاحظہ کیا۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ عصر کے قضا ہونے کا اظہار کیا۔ رحمۃ اللعالمین کی رحمت جوش میں آئی اللہ کی بارگاہ میں دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے۔ اے اللہ! علی تیرے نبی کی خدمت میں تھے اس لئے ان کی خاطر سورج کو واپس پلٹا دے۔ دعا بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوئی سورج کو واپس لوٹنے کا حکم فرمایا اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈوبا ہوا سورج واپس لوٹ آیا اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کر کے نمازِ عصر ادا کی اور بعد نماز کے سورج پھر غروب ہوگیا۔

(ملاحظہ کیجئے مشکل الاثار امام طحاوی)

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات وتصورات کا اندازہ لگائیے کہ جن کے ایک اشارے سے گردشِ زمانہ بھی رُک جاتی ہے۔ آپ کی رضا نظامِ کائنات میں کمی بیشی کا سبب بن سکتی ہے اور آپ کی خواہش پر ڈوبا ہوا سورج بھی واپس آجاتا ہے۔

حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سورج کو غروب ہونے کے بعد مغرب سے طلوع ہوتے دیکھا گیا اور اس کی دھوپ پہاڑوں اور زمین پر پھیل گئی۔ (ملاحظہ کیجئے کتاب الشفاء از قاضی عیاض)

حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح و ثابت ہے اور اس کے راوی معتبر ہیں۔ (طحاوی شریف)

حضرت علامہ صاوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے سورج دو بار روکا گیا ایک خندق کے دن جب آپ اور آپ کے صحابہ جنگ میں مصروف تھے اور سورج غروب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورج لوٹایا اور آپ نے نماز ادا کی۔ دوسرے شبِ معراج کی صبح کو جب آپ نے دن ختم ہونے سے پہلے قافلے کے پہنچنے کی خبر دی تھی۔ (تفسیر صاوی، جلد اوّل صفحہ ۲۶۲)

شبِ معراج کی صبح کفار و مشرکین نے معراج کا انکار کیا اور آپ کا امتحان لینے کیلئے دریافت کیا بتایئے ہمارا تجارتی قافلہ جو ملک شام سے آرہا ہے وہ کس دن آئے گا تو آپ نے فرمایا کہ بدھ کے دن۔ چنانچہ بدھ کے دن کا انتظار کرنے لگے۔ بدھ کی شام ہوگئی اور قریب تھا کہ سورج غروب ہوجاتا۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو آپ کیلئے سورج روک دیا گیا یہاں تک کہ بدھ کے دن ہی قافلہ آ گیا۔ (ملاحظہ کیجئے شرح شفاء ملا علی قاری، جلد اوّل صفحہ ۵۹۰۔ نشر الطیب، صفحہ ۱۸۶ از مولوی اشرف علی تھانوی، مکتبہ فکر دیوبند)

علامہ صاوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سورج حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے واپس لوٹایا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمارہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی نہ تھی۔ جب آپ اُٹھے تو سورج غروب ہوچکا تھا۔ چنانچہ آپ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا اس کیلئے سورج لوٹادے تاکہ یہ نماز ادا کرسکے۔ (ملاحظہ کیجئے صاوی، جلد اوّل صفحہ ۲۶۲)

امام سیوطی نے اس واقعہ کے بارے میں ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس حدیث مبارکہ کو اسناد کثیرہ سے روایت کیا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ جب امام طحاوی و امام احمد بن صالح، امام قاضی عیاض، محدث طبرانی اس حدیث کے صحیح ہونے کے قائل ہیں تو یہ کہنا فضول ہے کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں کیوں نہیں۔

درختوں کی اطاعت گزاری

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اپنی نبوت کی کوئی شہادت دیجئے میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک آپ کوئی معجزہ نہ دکھائیں گے۔ آپ نے فرمایا اے شخص اگر تو معجزہ دیکھنا چاہتا ہے تو اس سامنے والے درخت کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ تجھے اللہ کے رسول نے بلایا ہے۔

وہ شخص درخت کے پاس گیا اور پیغام دیا۔ پیغام سنتے ہی درخت آگے پیچھے دائیں بائیں جھکا اور اپنی جڑوں کو زمین سے اُکھاڑ ڈالا اور گھسٹتا ہوا بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو گیا اور یوں عرض کرنے لگا الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ ۔ پھر وہ شخص بولا اب اس درخت کو اپنی جگہ جانے کا حکم دیجئے۔ آپ نے درخت کو حکم دیا۔ حکم سنتے ہی درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا اور اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔ یہ دیکھ کر وہ شخص عرض کرنے لگا کہ مجھے اپنے دست مبارک اور قدم شریف کو بوسہ دینے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اجازت عطا کی۔ (ملاحظہ کیجئے کتاب الشفاء، مدارج النبوۃ، جلد اوّل)

معلوم ہوا کہ نباتات بھی آپ کے حکم پر لبیک کہا کرتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔

جانوروں کی اطاعت گزاری

مدینے کے لوگ کثرت سے اونٹ کا کاروبار کیا کرتے تھے ایک انصاری جو اونٹ کا کاروبار کرتا تھا ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آکر عرض کرنے لگا، حضور میرے پاس ایک اونٹ ہے جس پر میں پانی لاد کر لاتا ہوں وہ سرکش اور نافرمان ہوگیا ہے اور اپنی پیٹھ پر پانی لادنے نہیں دیتا ادھر ہمارے کھجوروں کے باغات سوکھ رہے ہیں۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُٹھے اور اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ساتھ لیکر اس باغ میں تشریف لے گئے جہاں وہ اونٹ موجود تھا۔ جب آپ اس اونٹ کی طرف چلے تو انصاری صحابی عرض کرنے لگا حضور! یہ اونٹ باؤلے کتے کی طرح کاٹنے کو دوڑتا ہے کہیں آپ کو تکلیف نہ پہنچادے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میری فکر نہ کرو یہ میرا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اونٹ کے سامنے آئے تو اونٹ نے آپ کو دیکھتے ہی سر جھکا دیا اور سجدے میں گر پڑا۔ آپ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر مالک کے حوالے کردیا اور کام میں لگا دیا پھر کبھی اس نے شرارت نہ کی۔ (امام احمد، نسائی، کتاب الشفاء، مدارج النبوۃ، جلد دوئم)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے صحابی حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ کشتی پر سوار ہوکر سمندر میں سفر کررہے تھے۔ اچانک ایک تیز لہر آئی جس نے کشتی کے تختے توڑ پھوڑ دیئے۔ آپ لکڑی کا ایک تختہ پکڑ کر اس پر سوار ہوگئے۔ تختہ نامعلوم منزل کی طرف جانے لگا۔ چلتے چلتے تختہ ایک جزیرے سے جا لگا۔ کنارے پر اُتر کر آپ پیدل ہی جانے لگے۔ تنہائی کا عالم تھا ویران جنگلی علاقہ تھا۔ اچانک ایک خونخوار شیر دھاڑتا ہوا حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لپکا اور حملہ آور ہونا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے اپنے ہوش کو قائم رکھتے ہوئے فرمایا: یا ابا الحارث انا مولیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اے شیر میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا غلام ہوں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام سنتے ہی شیر نے عقیدت سے اپنا سر جھکا لیا اور پیچھے چلنے کا اشارہ کرنے لگا۔ کچھ دُور جا کر ایک راستہ نظر آیا انہیں راستہ دکھا کر شیر جنگل میں واپس چلا آیا۔ (ملاحظہ کیجئے خصائص کبریٰ، حاکم، بیہقی، کتاب الشفاء)

آگ کی اطاعت گزاری

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دولتِ اسلام سے مستفیض ہوئے تو کفار ان کو دین اسلام سے ہٹانا چاہتے تھے اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیتے۔ جب اس میں بھی کامیاب نہ ہوئے تو کافروں نے آتش نمرود کی طرح بھڑکتی ہوئی آگ میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈالتے ہوئے کہا کہ دیکھیں تمہارا رب اور تمہارا نبی تمہاری امداد کیسے کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشق صادق حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعلوں کی لپیٹ میں بیٹھے جنت کے حسین تصور میں گم تھے۔ حضرت عمار بن یاسر کا یہ تڑپا دینے والا امتحان آسمان والوں نے دیکھا، زمین والوں نے دیکھا، کائنات کا ذرہ ذرہ عشق و ایمان کا تڑپا دینے والا نظارہ دیکھ رہا تھا۔ ابھی عشق و محبت کی کڑی آزمائش کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ادھر سے شہنشاہِ کون و مکاں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے جب اپنے ایک عاشق کو کفار کے ہاتھوں اس مصیبت میں گرفتار دیکھا تو دریائے رحمت جوش میں آیا اور آگ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

يا نار كوني بردا وسلاما على عمار كما كنت على ابراهيم

اے آگ عمار پر بھی ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جس طرح تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر ہوئی تھی۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی آگ فوراً مثل گلزار ہو گئی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح سلامت باہر تشریف لے آئے۔ (ملاحظہ کیجئے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف، جلد اوّل صفحہ ۲۳۹)

بادلوں کی اطاعت گزاری

ایک مرتبہ کسی صحابی نے بارش کیلئے بارگاہِ رسالت میں عرض کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اس وقت بادل کا نام ونشان نہیں تھا۔ مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آسمان پر بادل چھا گئے اور بارش شروع ہوگئی۔ ایک ہفتے تک بارش ہوتی رہی پھر وہی شخص آگیا اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہمارے مویشی ہلاک ہوگئے دعا فرمائیں کہ بارش رُک جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے تو دعا ختم ہوتے ہی باش رُک گئی اور بادل فوراً آسمان سے غائب ہوگئے اور دھوپ چمکنے لگی۔ (ملاحظہ کیجئے شواہد النبوۃ ۲۰۴)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے آپ اگر اشارہ کردیں تو بارش ہوجائے اور دعا کریں تو بارش رُک جائے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بارش کا علم صرف اللہ کو ہے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب اور کہاں ہوگی ان لوگوں کا ان سائنسدانوں کے بارے میں کیا عقیدہ ہے کہ جو قبل از وقت بتا دیتے ہیں کہ آج گرج چمک کے ساتھ بارش ہوگی پھر اکثر ہوتا بھی یہی ہے کہ خوب موسلا دھار بارش ہوجاتی ہے۔ کیا نعوذ باللہ یہ اللہ ہیں۔

ذرا سوچئے ایک دُنیوی علم رکھنے والا انسان بارش کی اطلاع دے اور شرک نہ کہلائے اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم سے اطلاع دیں تو تعجب ہے شرک کہلائے۔ آج تک کسی مولوی نے یہ فتویٰ جاری کیوں نہیں کیا کہ یہ موسمیات کا محکمہ شرک کرتا ہے اور جو لوگ بارش کی اطلاع دیتے ہیں وہ مشرک ہیں لہٰذا اس محکمہ کو بند کردیا جائے۔

پانی پر اختیار

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنگِ حدیبیہ میں مجاہدینِ اسلام کے پاس پانی ختم ہوگیا۔ اسلامی لشکر پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ اس میدان کارزار میں مسلمان پانی کی بوند کو ترسنے لگے۔ چنانچہ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! پانی نہیں ہے ہمیں پانی عنایت کیجئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برتن طلب فرمایا۔ سرفروشانِ اسلام نے پانی والی چھاگل حاضر کردی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس میں رکھ دیا پھر آپ کی دست مبارک کی اُنگلیوں سے پانی جوش مارنے لگا۔ پیاسے آتے اور سیراب ہوکر جاتے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر وہاں ایک لاکھ افراد بھی ہوتے تو وہ بھی دریائے رحمت کے اس چشمے سے سیراب ہوجاتے۔ مگر اس وقت صرف ڈیڑھ ہزار آدمی اور کچھ ہماری سواری کے جانور تھے۔ (معجزات خاتم المرسلین، صفحہ ۴۴، ۴۵)

مسلمانو! حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرف و اختیار کا ذرا اندازہ تو لگایئے کہ جب دریائے رحمت جوش میں آیا تو انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کردیے۔ حالانکہ دور و نزدیک پانی کا نام و نشان نہ تھا مگر پانی کے ایک برتن سے ڈیڑھ ہزار افراد سیراب ہوگئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں چاہوں تو پہاڑ سونے اور چاندی کے ہوکر میرے ساتھ چل پڑیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۳۷۴۔ اصابہ، ج ا ص ۱۹۹۔ اسد الغابہ، ج ا ص ۲۳۷)

ان تمام حقائق سے واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحکمِ الٰہی کائنات کے حاکم اور شریعتِ مطہرہ کے مختار ہیں۔ آپ کی حاکمیت کا منکر قرآنی آیات کا منکر ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم (سورۂ نساء: ۶۵)

اے محبوب تمہارے ربّ کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔

معلوم ہوا کہ جب تک کوئی پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زندگی کے ہر معاملے میں اپنا مالک و مختار اور حاکم با اختیار نہ سمجھے گا وہ ہرگز مسلمان نہ ہوگا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے:

لی وزیران فی السماء جبرائیل و میکائیل ولی وزیران فی الارض ابو بکر و عمر

میرے دو وزیر آسمانوں میں ہیں جبرائیل و میکائیل (علیہم السلام)۔ اور دو وزیر زمین پر ہیں ابو بکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)۔

(ملاحظہ کیجئے جواہر البحار، جلد اوّل صفحہ ۸۶۔ تاریخ الخلفاء، صفحہ ۶۶)

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان کی حکومت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمادی ہے اس طرح آپ کی سلطنتِ عظمیٰ کے دو صوبے ہوئے ایک آسمانی صوبہ اور دوسرا زمینی اور ہر صوبے کے دو دو وزیر مقرر کردیئے خطہ زمین کی وزارت حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سپرد فرمائی اور آسمانوں کی وزارت حضرت جبریل امین اور حضرت میکائیل علیہم السلام کو عطا فرمادی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اوتیت بمکالید الدنیا

میں ساری دنیا کی کنجیاں دیا گیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو کچھ بنایا سب دنیا ہے مثلاً جنت دوزخ، آسمان و زمین، چاند، سورج، ستارے، جن وانس، دریا، پہاڑ، ہیرے جواہرات، سونا، چاندی اور پیٹرول سب دنیا ہے اور ان سب کی چابی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں میں ہے اور کائنات کی ہر شے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قبضہ اور حکومت ہے۔

مسلمانو! آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ آج کے اس دور میں کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی چیز کا اختیار نہیں (نعوذ باللہ) وہ عاجز و بے اختیار ہیں۔ (معاذ اللہ)

آیئے ذرا ان کے اعتراضات کا جائزہ بھی لے لیں تاکہ فرقہ واریت کی روک تھام کی جاسکے۔

پہلا اعتراض

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا قل انی لن یجیرنی

من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا (سورۂ جن:۲۲)

تم فرماؤ میں تمہارے کسی برے بھلے کا مالک نہیں تم فرماؤ ہرگز مجھے اللہ سے کوئی نہ بچائے گا اور ہرگز اس کے سوا کوئی پناہ نہ پاؤں گا۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم دیا کہ اے میرے محبوب تم اپنی زبان سے کہہ دو:۔

(۱) میں تمہارے کسی برے بھلے کا مالک نہیں۔

(۲) ہرگز مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچائے گا۔

(۳) اس کے سوا کوئی پناہ نہ پاؤں گا۔

مذکورہ آیت میں یہ تین باتیں فرمائی گئیں کہ اے محبوب یہ تین باتیں آپ فرمادیں۔ اب جاننا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تینوں باتیں کس سے فرمائیں' کافروں سے یا مومنوں سے۔ آیئے اس حقیقت کا بھی جائزہ لیں تاکہ فرقہ واریت کی روک تھام کی جاسکے۔

ایک مرتبہ مکہ کے مشرکین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اگر آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چھوڑ دیں تو ہم سب آپ کے محافظ بن جائیں گے اور ایسے وفادار ہوں گے کہ کسی دشمن کی یہ جرأت نہ ہوگی کہ آپ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے یا کوئی اُنگلی بھی اُٹھا سکے۔ چنانچہ کفار ومشرکین کی اس بے ہودہ پیشکش کو ٹھکرانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمادیا کہ میرے محبوب پیغمبر آپ ان مشرکوں سے کہہ دیں کیا میں تمہارا کہنا مان کر اپنے ربّ کو ناراض کرلوں اگر میں نے ایسا کرلیا تو پھر ایسا کون ہے جو مجھے اس ربّ کے غضب سے بچاسکے۔ تم چند ہزار لوگوں کی کیا حقیقت اگر ساری کائنات کے لوگ بھی آکر میری مدد کریں جب بھی مجھے کوئی نہیں بچاسکتا۔ میرے لئے تو صرف اور صرف میرے ربّ ہی کی پناہ ہے۔ (قرطبی شریف)

مذکورہ بالا حقائق سے یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ آیتِ کریمہ کفار ومشرکین کی مذمت میں نازل کی گئی۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ اے محبوب پیغمبر آپ ان کافروں سے فرمادیجئے کہ میں اللہ کے حکم کے بغیر نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچاسکتا ہوں اور نہ ہی راہِ ہدایت پر گامزن کرسکتا ہوں کیونکہ حقیقی اختیار اللہ کو ہے۔ کسی کو ہدایت دینا اور کسی کو ہدایت سے محروم کردینا میرے ربّ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

مسلمانو! یہ حقیقت ہے کہ حقیقی مالک ومختار اللہ تعالیٰ ہے جس کی وضاحت شروع میں کی جا چکی ہے۔ اس کے اِذن وحکم کے بغیر کسی کو ذرہ برابر اختیار نہیں۔ یہاں جس اختیار کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد وہ حقیقی، ذاتی، لامتناہی اور لامحدود اختیارات ہیں جو اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہیں۔ کیونکہ حقیقی مالک ومختار اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ اگر چاہے تو پتہ بھی نہ ہل سکے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو کچھ اختیار ہے وہ ذاتی نہیں بلکہ سب کچھ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ مذکورہ آیت میں ذاتی اختیار کی نفی ہے عطائی کی نفی ہرگز نہیں۔

قابلِ غور بات ہے آج کے اس دور میں کوئی شخص کروڑوں روپیہ خرچ کرکے ووٹوں کے ذریعہ وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ حاصل کرتا ہے کبھی ایسا ہوا ہے کہ وہ وزیرِ اعظم تو ہو مگر بے اختیار ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر وزیرِ اعظم کیسا؟ کیا اس نے اسی لئے دولت برباد کی تھی کہ وزیرِ اعظم تو ہو مگر اختیار کچھ نہ ہو۔ عوام کے ووٹوں سے جیتنے والا وزیرِ اعظم بااختیار ہوتا ہے۔ وہ حاکمِ وقت کہلاتا ہے اس کے ایک حکم پر ملک کی بساط پلٹ کر رکھ دی جاتی ہے۔ سارے ملک پر اس کا اختیار اور تمام رعایا اس کی محکوم ہوتی ہے۔ ذرا سوچئے انسان کے منتخب کردہ صدر یا وزیرِ اعظم کا تو اتنا اختیار کہ وہ جو چاہے کر گزرے اور جس نبی کو انسانوں نے نہیں بلکہ کائنات کے مالک ومختار اللہ تعالیٰ نے کائنات کیلئے منتخب فرمایا ہو تعجب ہے اسے کچھ اختیار نہ ہو؟ از روئے ایمان بتایئے ایسا عقیدہ منصبِ نبوت اور شانِ رسالت کے خلاف ہے یا نہیں؟ یقیناً ہے۔

دوسرا اعتراض

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

قل لا املك لنفسی نفعا ولا ضرا (سورۂ اعراف:۱۸۷)

تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اپنی جان کے نفع ونقصان کے مالک نہیں تو بھلا دوسروں کے وہ کس طرح نفع ونقصان کے مالک ہو سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہاں تک نفع ونقصان کے مالک ہیں اور کہاں تک نہیں اس کا اندازہ تو مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے حقائق کو جان لینے کے بعد ہی ہوگا۔

جہاں تک اس آیتِ کریمہ کا تعلق ہے یہ آیتِ کریمہ بھی کفار ومشرکینِ مکہ کی مذمت میں نازل ہوئی جس میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہلِ ایمان کے سامنے نہیں بلکہ کفارِ مکہ کے سامنے خدائی دعویٰ کا انکار اور مخلوق ہونے کا اظہار فرمارہے ہیں کہ میں ربّ نہیں ہوں بلکہ میں اس کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ ربّ تو وہ ہے جس کی قدرت کامل اور اختیار لامحدود اور مستقل ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے نہ کسی کام سے اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کسی کام پر اسے کوئی مجبور کرسکتا ہے اور مجھ میں یہ اختیار کامل اور مستقل قدرت نہیں پائی جاتی میرے پاس جو کچھ بھی ہے میرا اپنا نہیں بلکہ میرے ربّ کا عطا کردہ ہے میرا سارا اختیار اسی ربّ کے دستِ قدرت میں ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نفع اور نقصان کا کچھ اختیار ہی نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے اور یہ اختیار اتنا ہی ہے جتنا ان کے ربّ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔

مسلمانو! اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کتنا اختیار عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس حد تک نفع ونقصان کے مالک ہیں تو انسانی عقل کا کوئی پیمانہ یا کوئی سائنسی آلہ کائنات میں ایسا نہیں جو اس کا احاطہ کرسکے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کیلئے کس درجہ تک نفع ونقصان کے مالک ہیں اس کا اندازہ قرآن مجید ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وما نقموا الا ان اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ (سورۂ توبہ:۷۴)

اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ اور رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

غور فرمایئے مذکورہ آیت میں بالکل واضح ارشاد موجود ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل وکرم سے غنی کر دیا اور غنی وہی ہوتا ہے جسے نفع پہنچانے کا اختیار ہو اور سنئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وذکر فان الذکرىٰ تنفع المؤمنین (سورۃ الذاریات:۵۵)

اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ سے صاف ظاہر ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سمجھانے میں مومنوں کو فائدہ ہی فائدہ ہے اور تا قیامت اہل ایمان اس چشمہ فیض سے اپنے ایمانوں کو سیراب کرتے رہیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری زندگی میں بھی تمہیں میرا فائدہ ہے اور میرے وصال کے بعد بھی تمہیں میرا فائدہ ہے۔ (ملاحظہ کیجئے جامع صغیر، جلد۲ صفحہ ۱۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان اور سنئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خٰلدین فیھا ابدا (سورۂ جن:۲۳)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کیلئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔

اس آیتِ کریمہ سے واضح ہوا کہ ہر وہ انسان نقصان وگھاٹے اور تباہی وبربادی کی زد میں ہے جس نے اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت نہ کی۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وان تطیعوا اللہ ورسولہ لا یلتکم من اعمالکم شیئا (سورۃ الحجرات:۱۴)

اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو تمہارے کسی عمل کا تمہیں نقصان نہ دے گا۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ سے واضح ہوا کہ وہ مسلمان نقصان اور گھاٹے میں ہرگز نہیں جو اللہ اور اسکے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے بلکہ اس کے ہر عمل میں اس کو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری مومنین کیلئے نفع بخش ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری سے دوری سراسر گھاٹا اور نقصان ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیہا (سورۂ نسا:۱۴)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی کل حدود سے بڑھ جائے

اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا۔

اس آیتِ کریمہ میں واضح کیا گیا ہے کہ جو کوئی اللہ اور اس مقدس رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات کی نافرمانی کرے گا اللہ اور اسکے رسول کی قائم کردہ حدود کو توڑے گا ایسا شخص دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائیگا جہاں نہ اسے موت آئیگی اور نہ ہی وہاں سے نکالا جائے گا جب تک کہ سزا پوری نہ ہو۔لیکن جو کافر ہیں یا جنہوں نے دنیا میں اپنے اعمال حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے کے سبب برباد کردیئے ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی ہولناک آگ میں جلتے رہیں گے۔ دوزخ میں زندگی تلخ ہوگی۔انسان کو اس عذاب اور قہر وغضب کا سامنا صرف اس وجہ سے کرنا پڑیگا جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے بغاوت کرے گا۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی انسان کیلئے نقصان دہ ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنّٰت تجری من تحتہا الانہٰر

خٰلدین فیہا وذٰلک الفوز العظیم (سورۂ نساء:۱۳)

اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں

ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کرنے اور پھر اس پر انعام واکرام کی بارش کردینے کی خوشخبری دی ہے۔اطاعت وفرمانبرداری سے مراد یہ ہے کہ اطاعت دل اور خوشی سے کی جائے جبری فرمانبرداری منافقین کا طریقہ ہے۔جنت دل کی رغبت سے ملتی ہے۔قرآنی احکام کو دل سے ماننا پھر ان احکام پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری ہے۔احادیثِ مبارکہ کو دل سے ماننا پھر ان ارشادات پر دل سے عمل کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی بجاآوری ہے اور ہر مطیع اور فرمانبردار کو جنت عطا کی جائیگی۔جب جنتی جنت میں جائیں گے تو ہمیشہ جنت میں رہیں گے وہاں نہ انہیں موت آئے گی اور نہ ہی وہاں سے وہ نکالے جائیں گے۔وہاں نہ کوئی بیماری ہوگی نہ کسی چیز سے پرہیز اور نہ ہی کسی قسم کی شرعی پابندیاں ہوں گی۔شرعی پابندیاں اس دنیا کیلئے ہیں کیونکہ اس دنیا میں جائز چیزیں بھی ہیں اور ناجائز بھی۔کچھ حلال ہیں تو کچھ حرام اسی لئے اس دنیا میں بہت سی باتوں پر شرعی پابندیاں ہیں۔جبکہ جنت میں کوئی چیز بری نہیں ہوگی لہٰذا وہاں کسی قسم کی شرعی قید بھی نہ ہوگی انسان کا دل جو خواہش کرے گا اسے میسر ہوگی۔

نفس امارہ جو انسان کے دل میں بری رغبت اور برے خیالات وخواہشات پیدا کرتا ہے جنت میں فنا ہو چکا ہوگا۔ اسلئے اہل جنت کی کوئی خواہش بری نہ ہوگی۔ ان کا دل پاک، نگاہیں پاک، نیت پاک، عزم پاک، منزل پاک، مقصود پاک، جنت کے سدا بہار باغات اطاعت گزاروں اور فرمانبرداروں کیلئے ہی چشم براہ ہوں گے۔ وہاں بہنے والی میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ندیاں شوق دید میں انہیں کی منتظر ہیں، وہاں کے باغوں کا ہر پھول، ہر غنچہ انہیں کی محبت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، جنتی جنت میں رہیں گے تا ابد رہیں گے جنت کی تمام رونقیں انہی کامیاب لوگوں کیلئے ہیں اگر یہ وہاں نہ ہوں تو حورانِ جنت کی تمام شوخیاں اُداسیوں میں بدل جائیں۔ غرض جنت میں داخل ہونا بہت بڑی کامیابی ہے اور ایسی عالیشان کامیابی ہے جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وذلك الفوز العظيم اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

مسلمانو! ذرا بتایئے یہ کامیابی کیسے ممکن ہوگی۔ کیا یہ کامیابی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بغیر ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ جنت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مرکز ہے، جنت کی ان تمام نعمتوں کا ملنا دوزخ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نجات پانا اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی بجا آوری کے بغیر ممکن نہیں۔

مسلمانو! یادرکھو آخرت کے مقابلے میں دنیا کے نفع کی کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا کو ایک دن ختم ہو جانا ہے اور ہر انسان کو ایک دن یہاں سے چلا جانا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا کو ملعون فرمایا۔ اللہ کے نزدیک اس دنیا کی حیثیت مکھی کے پر کے برابر بھی نہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کے نزدیک اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی اس دنیا کے نفع ونقصان کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے۔ اصل نفع آخرت کا ہے اگر آپ کو آخرت کا نفع حاصل ہو گیا تو کونین کی تمام نعمتیں سمٹ کر آپ کے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گی اور یہ نفع آپ کو اسی صورت حاصل ہوگا کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی کامل اطاعت کی جائے۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کے ارشادات کی بجا آوری مومنین کیلئے بہترین نفع ہے اور قیامت تک اہل ایمان آپ کا کلمہ پڑھ کر نفع حاصل کرتے رہیں گے۔ آپکے ذکر سے اپنے ایمان کو مستحکم کرتے رہیں گے۔ آپ کی سنتوں پر عمل کر کے اپنے درجات بلند کرتے رہیں گے۔ تعجب ہے ان لوگوں کی عقل وفراست پر جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر ایسے مقدس نبی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ کسی نفع نقصان کے مالک نہیں۔ (نعوذ باللہ)

تیسرا اعتراض

ابو طالب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے ۔ انہوں نے بچپن ہی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پرورش کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اسلام قبول کرنے کیلئے کہا مگر انہوں نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم با اختیار ہوتے تو ابو طالب ضرور اسلام قبول کرتے لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ با اختیار نہ تھے۔ جو اپنے چچا کیلئے نفع بخش نہ ہو سکے دوسروں کو کیا نفع پہنچائینگے۔ (نعوذ باللہ)

ہر مسلمان اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا کہ آدم کو سجدہ کر مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا اور اکڑ کر کھڑا ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کر کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مردود ہوا۔

مسلمانو! ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور ابلیس مخلوق۔ اللہ تعالیٰ حاکم الحاکمین ہے جبکہ ابلیس عاجز مگر آپ نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر مگر نہیں کیا آخر کیوں؟ کیا اللہ تعالیٰ عاجز و بے اختیار تھا؟ (نعوذ باللہ)

ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ با اختیار ہے کسی کی جرأت ومجال نہیں جو اللہ کے حکم کی نافرمانی کر سکے۔ مگر یہاں اللہ کے حکم کی نافرمانی کرنا اور نافرمانی کر کے بارگاہِ الٰہی سے مردود ہونا ابلیس کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ابوطالب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور پھر ان کا اس دعوت کو قبول نہ کرنا بھی کسی حکمت سے خالی نہ تھا ابو طالب نے اسلام قبول کیوں نہ کیا۔ ابلیس نے اللہ کا حکم کیوں نہ مانا۔ یہ دونوں واقعات اللہ اور اسکے رسول کے اختیارات کی نفی میں ہرگز نہیں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ابو طالب مسلمان نہیں ہوئے اس لئے حضور با اختیار نہیں تو پھر ان کا اللہ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے کہ جس کے حکم کے آگے ابلیس اکڑ کر کھڑا ہوگیا اور فرمانبردار نہ بن سکا۔ کیا اللہ تعالیٰ بھی بے اختیار ہے؟ (نعوذ باللہ)

مسلمانو! معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا حقیقی مالک ومختار اور حاکم کل ہے وہ نفع ونقصان کا مالک ہے۔ اس کی اس صفت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ وہ اپنی صفت میں یکتا اور واحد ہے۔ اس کی یہ صفات ازلی، ابدی، لامحدود اور ذاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت سے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی نوازا جو آپ پڑھ چکے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اللہ کی دی ہوئی عطا سے کائنات کے مالک ومختار اور حاکم کل ہیں۔ ذرہ ذرہ آپ کے حاکم کا تابعدار ہے۔ کس کی مجال ہے جو اللہ کے محبوب پیغمبر کے حکم کی نافرمانی کرے۔

اللہ نے آپکو نفع ونقصان کا مالک بنایا آپ کی اطاعت وفرمانبرداری میں نفع ہی نفع اور آپ کی نافرمانی میں نقصان ہی نقصان ہے۔

اگر کسی کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اختیار وتصرف اور نفع ونقصان کا مالک ہونا اللہ کی طرح ذاتی، لامحدود، قدیم اور خود بخود ہے تو ایسا عقیدہ رکھنا کھلا شرک ہے لیکن اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اختیار اللہ کے مقابلے پر محدود، عطائی، حادث ہے اور خود بخود نہیں ہے تو ایسا عقیدہ شرک نہیں بلکہ عین ایمان ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کامل مسلمان ہیں۔

جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات وتصرفات کا مطلقاً انکار کرتے ہیں ایسے لوگ قرآن وحدیث کے منکر اور گمراہ وبے دین ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

نور و بشر کا بیان

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ نور ہے اور نور ہونا اللہ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض (سورۂ نور:۳۵)

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔

ثابت ہوا کہ نور ہونا صرف اللہ ہی کی صفت ہے اس کی اس صفت میں کوئی دوسرا شریک ہرگز نہیں۔ وہ اپنی صفت میں یکتا ہے۔ اس کی یہ صفت ذاتی، قدیمی، ازلی، ابدی اور لامحدود ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت سے اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی نوازا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا:

قد جاءکم من اللّٰہ نور (سورۂ مائدہ:۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔

اس آیتِ مبارکہ میں عالم اسلام کی تمام برگزیدہ ہستیوں نے نور سے مراد حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو لیا ہے۔ (تفسیر کبیر، صفحہ ۳۹۵۔ تفسیر ابن عباس، صفحہ ۱۲۔ تفسیر خازن، جلد اوّل صفحہ ۴۱۷۔ روح البیان، جلد اوّل صفحہ ۵۴۸)

ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کون سی شے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یا جابر ان اللّٰہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ ...... الآخر

اے جابر! بیشک اللہ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور قدرتِ الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا اور نہ بہشت تھی نہ دوزخ تھی اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا نہ جن تھا نہ انسان تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے ایک حصے سے قلم پیدا کیا دوسرے حصے سے لوح اور تیسرے حصے سے عرش کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا اور...... ساری کائنات کو پیدا فرمایا۔ (ملاحظہ کیجئے مواہب لدنیہ شریف، جلد اوّل صفحہ ۹۔ زرقانی شریف، جلد اوّل صفحہ ۴۶۔ نشر الطیب از اشرف علی تھانوی دیوبندی)

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

انا من نور اللّٰہ والخلق کلھم من نوری (ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ)

میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اشاد اور سنئے۔ ارشاد فرمایا:

اول ما خلق اللّٰہ نوری کل خلائق من نوری و انا من نور اللّٰہ (ملاحظہ ہو تحفۃ الصلوٰۃ علی النبی المختار، صفحہ ۱۴)

سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا، میرے نور سے سارے عالم کو پیدا فرمایا اور میں اللہ کے نور سے ہوں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سر سے لے کر قدم تک سارے کے سارے نور تھے کہ حیرت کی آنکھ آپ کے جمالِ باکمال میں خیرہ ہو جاتی۔ حضور چاند اور سورج کی طرح منور اور روشن تھے اور اگر حضور بشریت کا پردہ پہنے ہوئے نہ ہوتے تو کسی کو دیکھنے کی طاقت نہ ہوتی اور آپ کے حسن کا ادراک ممکن نہ ہوتا۔ (مدارج النبوۃ، جلد اوّل صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک اور قول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور جمالِ الٰہی کا آئینہ ہے اور اس کے غیر متناہی انوار کا مظہر تھا۔ (مدارج النبوۃ، جلد اوّل صفحہ ۴)

علامہ عارف الغوث عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، اور اس بات کا یقین کر کہ بے شک تمام موجودات کے تمام انوار عرش و فرش اور آسمانوں اور زمینوں اور بہشتوں اور پردوں اور ان کے اوپر اور نیچے سے ان سب کے انوار جب تو جمع کرے تو ان سب انوار کو نورِ نبی سے بعض (ایک حصہ پائے گا) اور اگر حضور کا سارا نور عرش پر رکھا جائے تو عرش پگھل جائے گا اور اگر عرش کے اوپر والے ستر حجابوں پر رکھا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر باریک پر یا اون کی طرح اُڑنے لگیں گے اور اگر تمام مخلوق کو جمع کر کے اس پر یہ نورِ عظیم رکھا جائے تو وہ تمام مخلوق ریزہ ریزہ ہو کر گر جائے گی۔ (کتاب الابریز، صفحہ ۲۵۳، مطبوعہ ازہریہ۔ جواہر البحار، جلد ۲ صفحہ ۲۸۵)

شیخ رکن الدین عماد الدین دبیر کاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو ستر ہزار پردوں میں چھپائیں تا کہ چاند اور سورج کی روشنی چھپ نہ جائے۔ (شمائل الاتقیاء، صفحہ ۴۴۲)

معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ نورٌ علیٰ نور ہیں کہ اگر آپ لباسِ بشری میں تشریف نہ لاتے تو کسی کو دیکھنے کی تاب نہ ہوتی۔

امام مناوی فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کل ذاتِ شریفہ ظاہراً باطناً نور تھی۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستحقین اصحاب کو نور (حسی) عطا فرماتے تھے۔ (فیض القدیر، جلد ۵ صفحہ ۳۷۔ مندنی الجواہر، جلد ۲ صفحہ ۱۶۴۔ شفا، جلد ۱ صفحہ ۲۷۶-۲۷۹)

امام شیخ محدث عبدالروف مناوی فرماتے ہیں، وہ نور حسی تھا (جو نظر آتا تھا)۔ (شرح الشمائل للمناوی علی ہامش جمع الوسائل، ج ۱ ص ۵۵)

نورِ حسی اسے کہتے ہیں جس کا کبھی کبھی اظہار ہو اور محسوس کیا جائے۔

نور حسی کی چند مثالیں

☆ حضرت طفیل بن عمرو نے اپنی قوم کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے اللہ! اس کیلئے نور کردے لہٰذا حضرت طفیل کی آنکھوں کے درمیان نور بلند ہوا۔ مزید آگے لکھا ہے کہ وہ نور حضرت طفیل کے کوڑے چابک کی طرف منتقل ہوا اور اندھیری رات میں وہ چابک روشن رہتا تھا اسی لئے حضرت طفیل کا نام ذوالنور یعنی نور والا رکھا گیا۔

☆ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری والدہ نے جب مجھے جنا تو ان سے نور چمکا جس کی وجہ سے بصریٰ کے محلات منور ہوگئے۔ (خصائص شریف، جلد اوّل صفحہ ۴۶)

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے صاف واضح اور بے ابر چاندنی رات میں دیکھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سرخ کپڑا تھا تو میں نے حضور کی طرف اور چاند کی طرف دیکھنا شروع کیا تو حضور میری نظر میں چاند سے زیادہ حسین تھے۔ (خصائص الکبریٰ، جلد ۱ صفحہ ۷۱۔ زرقانی علی المواہب، جلد ۴ صفحہ ۷۶۔ شمائل ترمذی، صفحہ ۲)

☆ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلام فرماتے تو سامنے کے دانتوں سے نور دِکھائی دیتا۔ (خصائص الکبریٰ، جلد ۱ صفحہ ۶۲۔ زرقانی علی المواہب، جلد ۴ صفحہ ۹۵)

☆ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بوقتِ تبسم اپنے مبارک دانت ظاہر کرتے تو آپ کے نورانی منہ مبارک اور منور دانتوں کی سفیدی سے بجلی کی چمک کی طرح چمک ظاہر ہوتی۔ (نسیم الریاض، جلد اوّل صفحہ ۳۴۴)

☆ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار کی طرف دیکھا تو اپنی آنکھوں پر ہتھیلی رکھ دی اس خوف سے کہ کہیں میرے دیکھنے کی قوت نہ چلی جائے۔ (جواہر البحار، جلد ۲ صفحہ ۳۴۷)

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سحر کے وقت سی رہی تھی کہ مجھ سے سوئی گر گئی میں نے اسے تلاش کیا وہ مجھے نہ مل سکی پھر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے چہرہ انور کے شعاع سے سوئی ظاہر ہوگئی۔ (خصائص الکبریٰ، جلد ۱ صفحہ ۶۲۔ شواہد النبوۃ، صفحہ ۱۳۵)

☆ آئمہ اُمت کے ان درخشاں دلائل سے بھی یہ واضح ہوا کہ حضور نور ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد (بخاری شریف، ترمذی شریف)

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) جسم اور روح کے درمیان تھے۔

اس حقیقت کو سب جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا کے سب سے پہلے بشر، سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے آدمی ہیں آپ سے پہلے نہ کوئی انسان تھا، نہ بشر اور نہ ہی کوئی آدمی۔ مگر حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ میں آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے بھی نبی تھا جو اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ آپ کی تخلیق انسانیت، بشریت اور آدمیت سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحیثیت بشر کے بعد میں ظاہر ہوئے حقیقت میں آپ نور ہی ہیں جو آدم علیہ السلام سے بہت پہلے جلوہ فرما ہوئے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم کا سایہ نہیں تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ دعا فرماتے سنا اے میرے اللہ! مجھے سراپا نور کردے، میرے اوپر نور کردے، میرے نیچے نور کردے، میرے دائیں نور کردے، میرے بائیں نور کردے۔ (ملاحظہ کیجئے مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۱۰۶۔ ترمذی شریف، جلد ۲ صفحہ ۱۷۸)

زرقانی شریف میں ہے، چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور کے پیکر تھے اس لئے ان کا سایہ نہیں تھا نہ سورج کی روشنی میں، نہ چاندکی چاندنی میں۔ (ملاحظہ کیجئے زرقانی، جلد ۴ صفحہ ۲۲۵)

شیخ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، آپ کے جسم اطہر کا سایہ نہ تھا۔ (ملاحظہ کیجئے نسیم الریاض ج ۳)

سیرت حلبیہ میں ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سورج کی روشنی یا چاند کی چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ ہوتا۔ (ملاحظہ کیجئے سیرت حلبیہ، جلد ۲ صفحہ ۴۲۲)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی میں سے نور بھی آپ کا نام پاک ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ (ملاحظہ کیجئے مدارج النبوۃ، جلد ۱ صفحہ ۲۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ صفحہ ۲۱۹)

دیو بند مکتبہ فکر کے امام و پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی تحریر کرتے ہیں، یہ حقیقت تواتر سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم پاک کا سایہ نہیں رکھتے تھے۔ (ملاحظہ کیجئے امداد السلوک)

ان تمام حقائق سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں اور آپ کا سایہ نہیں تھا۔ آج کے اس جدید دور میں بعض لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا یہ انکار کیوں ہے؟ آیئے اس پر بھی غور کرلیا جائے۔

اعتراض

مسلمانو! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

قل انمآ انا بشر مثلکم (سورۃ کہف:۱۱۰)

تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔

اس آیتِ کریمہ سے بعض لوگ یہ معنی نکالتے ہیں کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کہا گیا ہے لہٰذا آپ بشر ہیں۔ اس طرح بعض لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

مسلمانو! مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں لفظ 'قل' پر غور فرمایئے جس میں گویا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر سے ارشاد فرماتا ہے: اے میرے محبوب! میں آپ کو بشر نہیں کہوں گا بلکہ آپ خود اپنی زبان سے 'قل' یعنی کہہ دیں ان کفار و مشرکین سے کہ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ معلوم ہوا کہ خالق کائنات نے اپنے پیغمبر کو خود بشر نہیں کہا بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہلوایا۔ اسی آیتِ مبارکہ کے آگے قرآن مجید میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں: یوحٰی الی مجھے وحی آتی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ وہ عظیم بشر ہیں کہ جن پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا

تم فرماؤ پاکی ہے میرے ربّ کو میں کون ہوں مگر بھیجا ہوا بشر۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے اے میرے محبوب پیغمبر 'قل' آپ اپنی زبان سے خود فرمادیں کہ میں ایک بھیجا ہوا بشر ہوں۔ اس آیتِ کریمہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کہا گیا ہے لیکن یہ بشر ہونا نور کے منافی نہیں۔ دیکھئے حضرت جبریل امین تمام نورانی فرشتوں کے سردار ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا تو بشری شکل میں بھیجا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فتمثل لها بشرا سویا (سورۃ مریم:۱۷)

وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں جو نہایت نیک پرہیزگار اور اللہ کی مقبول بندی تھیں۔ آپ مسجد کی خدمت کیلئے وقف تھیں مسجد میں رہتیں اور اللہ کی عبادت کرتیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی آپ کی خالہ تھیں۔ علماء کا ایک قول یہ بھی ہے کہ حیض کے دِنوں میں آپ اپنی خالہ کے گھر آجاتی تھیں اور جب حیض سے پاک ہوجاتیں تو دوبارہ مسجد میں آجاتیں۔ ایک مرتبہ حیض کے بعد آپ غسل کیلئے غسل خانہ میں گئیں تو وہاں ایک شخص نظر آیا جو بڑا وجیہہ تھا۔ چمکدار اور خوبصورت اس کا رنگ تھا اور اس کے گھنگریالے بال تھے۔ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو کامل انسانی شکل میں آئے تھے۔ ایک اجنبی انسان کو دیکھ کر آپ پر خوف طاری ہوگیا کہ معلوم نہیں یہ انسان میرے پاس کہاں سے اور کس ارادے سے آیا ہے۔ آپ خوفزدہ ہوکر کہنے لگیں خدا کی پناہ! اگر تو متقی شخص ہے اور اللہ تعالیٰ کا تجھے کوئی خوف ہے تو دُور ہوجا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو تسلی دیتے ہوئے کہا میں تیرے ربّ کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ستھرا بیٹا دوں۔

اس واقعہ پر غور فرمایئے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جو کہ کامل انسانی شکل میں ہیں اور اس موقع پر قرآن مجید نے آپ کو بشر کہا لیکن یہاں ان کا بشر ہونا نور کے منافی نہیں۔ آپ حقیقت میں نور اور ظاہر میں بشر ہیں۔ جب جبرائیل امین کی نورانیت میں فرق نہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت میں کیسے فرق آجائے گا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ولقد جآءت رسلنا ابرٰھیم بالبشریٰ (سورۂ ہود:۶۹)

اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے۔

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ یہ نوری فرشتے حسین نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے جو ظاہر بشر تھے لیکن حقیقت میں نور تھے۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ولما جاءت رسلنا لوطا (سورۂ ہود:۷۷)

اور جب لوط کے یہاں ہمارے فرشتے آئے۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں بھی ہے کہ نوری فرشتے خوبصورت انسانی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ونبئھم عن ضیف ابرٰھیم (سورۃ الحجر:۵۱)

اور انہیں احوال سناؤ ابراہیم کے مہمانوں کا۔

اس آیت کریمہ میں بھی فرشتوں کا ذکر ہے جو مہمان بن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکان پر تشریف لائے تھے ان مہمانوں میں حضرت جبرائیل امین کئی فرشتوں کے ساتھ تشریف لائے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معمول تھا کہ اپنی رعایا کی خبر گیری کیلئے راتوں کو عام آدمی کے لباس میں باہر نکلتے جو شخص ملتا اس سے پوچھتے کہ داؤد بادشاہ کیسا ہے؟ ایک مرتبہ آپ کی ملاقات ایک فرشتے سے ہوئی جو انسانی شکل میں تھا جب آپ نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا آدمی تو بہت اچھا ہے لیکن وہ بیت المال سے رزق کھاتا ہے اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائیں تو بہت اچھا ہے۔ اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے لوہے کا زرہ بنانے کا علم عطا فرمایا اور اس کی آمدنی سے گزر بسر کرتے۔ (روح المعانی)

اس واقعہ میں بھی ایک نورانی فرشتے کا ذکر ہے جنہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے شکل انسانی میں ملاقات فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ہمارے پاس ایک آدمی آیا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا یہ شخص کون تھا؟ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، فانہ جبریل وہ جبریل ہے۔ (ملاحظہ کیجئے صحیح بخاری شریف، مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱، دار قطنی ص ۲۸۱)

معلوم ہوا نوری فرشتوں کا انسانی شکلوں میں آنا قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ وہ بشر بن کر ظاہر ہوئے۔ فرشتوں کا بشری لباس میں آنا جس طرح نور ہونے کے منافی نہیں، اسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی بشری لباس میں تشریف لانا نور ہونے کے منافی نہیں ہے۔ آپ کی حقیقت نور ہے۔ آپ لباسِ بشری میں دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کے بشر ہونے پر بھی ایمان ہے اور نور ہونے پر بھی یقین۔ آپ کی پیدائش مخلوق میں سب سے پہلے ہوئی اور دنیا میں تشریف لانے کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

هو الاول والاٰخر والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم (الحدید۔ ع۱)

وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں، یہ کلمات اعجاز کی علامت والے یعنی پانچ صفات: (۱) اوّل (۲) آخر (۳) ظاہر (٤) باطن (۵) اور ہر چیز کو جاننا، اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف پر مشتمل ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اپنی کبریائی کا خطبہ انہی کلمات سے پڑھا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کلمات اور پانچ صفات حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت و تعریف بھی ہیں یعنی حضور سب سے اوّل ہیں باعتبار پیدائش کے اور سب نبیوں سے آخر باعتبار سب نبیوں کے بعد تشریف آوری کے اور حضور کے انوار ظاہر ہیں اس طرح کہ تمام کو گھیرے ہوئے ہیں اور حضور کے انوار نے تمام جہان کو روشن کر دیا۔ کوئی ظہور حضور کے ظہور کی مثل نہیں اور کوئی نور حضور کے نور کی مثل نہیں اور باطن یعنی پوشیدہ ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسرار کہ کسی کو حضور کی حقیقت معلوم نہ ہوسکی اور سب کے سب حضور کے کمال وجلال کے نظارہ میں حیران وخیرہ رہ گئے اور حضور ہر چیز جاننے والے ہیں تمام علوم ظاہر و باطن اوّل و آخر سب کا حضور نے احاطہ کرلیا سب کو گھیر لیا۔ (ملاحظہ کیجئے مدارج، جلد ۱ صفحہ ۲)

مسلمانو! ایک سچے مسلمان کا یہ ایمان ہونا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ کوئی جن ہیں نہ فرشتہ اور نہ ہی آپ خدا ہیں بلکہ آپ بشر ہی ہیں لیکن اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ آپکے ان تمام اعلیٰ وارفع خطابات کو تو چھوڑ دیا جائے کہ جن کے سبب آپ تمام کائنات میں افضل واکمل ہوئے اور صرف بشر ہی بشر کہا جائے۔

حضرت امام فخرالدین رازی علیہ رحمۃ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قل انما انا بشر کی آیت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تواضع وانکساری کا ایک نمونہ ہے۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر کبیر، جلد ۵ صفحہ ۵۱۶)

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذکورہ بالا قول سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ کا اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بشر کہلوانا اور پھر آپ کا لوگوں سے یہ کہنا کہ میں تو تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں یہ سب انکساری اور تواضع کے طور پر تھا۔ قرآن مجید میں جابجا کفار ومشرکین کا طریقہ بیان کیا گیا کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے ہی جیسا کہتے تھے۔ کفارِ مکہ بھی چونکہ حقیقتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نا آشنا تھے اور وہ بھی اس گمراہی میں مبتلا تھے اس لئے وہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان سمجھتے تھے۔

مگر قرآنی آیت یوحی الی نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ایک عام انسان کے درمیان واضح فرق کر دیا۔ اس واضح فرق کے باوجود اگر کوئی حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا جیسا بشر سمجھتا ہے اور اس کا یہ دعویٰ اس بنیاد پر ہے کہ نبی بھی مخلوق تو ہم بھی مخلوق، ان کے بھی ہاتھ پاؤں، ناک، کان اور دیگر اعضاء تھے اور ہمارے بھی ہیں، وہ بھی کھاتے پیتے، سوتے جاگتے اور چلتے پھرتے تھے اور ہم بھی یہی عمل کرتے ہیں، وہ بھی نماز پڑھتے تھے اور ہم بھی نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی حج کرتے تھے تو ہم بھی حج کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی شادیاں کیں اور ہم بھی کرتے ہیں۔ اگر بشرت کی کسوٹی یہی ہے تو اس کسوٹی اور معیار پر بھی ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمسر نہیں ہوسکتے کیونکہ آپ ی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعضائے بدن، اعمال وافعال ہم سے مختلف ہیں۔

ہر اہلِ نظر اس حقیقت سے واقف ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، جبکہ ہمارا سایہ ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر پر کبھی کوئی مکھی نہیں بیٹھی، جبکہ ہمارے جسم پر مکھیاں بیٹھتی ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پسینہ مشک وعنبر اور گلاب سے زیادہ خوشبودار تھا، جبکہ ہمارے پسینے میں بدبو آتی ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے عالمین کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیاں دیکھتے، جبکہ ہم وہی کچھ دیکھ سکتے ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ آپ کی آنکھیں سوتیں تو دل بیدار رہتا، جبکہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں تو دل بھی سوتا ہے۔ آپ پر نمازِ تہجد فرض تو ہم پر نہیں۔ ہم پر زکوٰۃ فرض تو آپ پر نہیں۔ ہم ایک وقت میں چار بیویاں رکھ سکتے ہیں تو آپ چار سے بھی زیادہ رکھ سکتے ہیں۔ آپ کا وضو نیند سے بھی نہیں ٹوٹتا جبکہ ہمارا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعضائے بدن، افعال واعمال ہماری مثل ہرگز نہیں۔ قل انمآ انا بشر مثلکم کا یہ ارشاد کفار ومشرکین کو سمجھانے کیلئے ہے جو حقیقتِ نبوت سے ناآشنا تھے جبکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جو حقیقتِ مصطفوی سے آشنا تھے اور جن کے دل معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آماجگاہ بن گئے تھے ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایکم مثلی (مشکوٰۃ شریف) تم میں کون ہے جو میرے مثل ہو...... کہیں اس طرح ارشاد فرمایا: انی لست مثلکم میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ (ملاحظہ کیجئے بخاری شریف، جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۲)

مسلمانو! حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمسری کا دعویٰ تو بہت بڑی بات ہے۔ قرآن مجید میں تو اللہ نے یہاں تک ارشاد فرمایا:

یٰنسآء النبی لستن کاحد من النسآء (سورۂ احزاب:۳۲)

اے نبی کی بیبیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

غور فرمایئے! جو خوش نصیب خاتون حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں آجائے ان کا مقام و مرتبہ تو اس قدر بلند کہ وہ تمام عورتوں میں بے مثل اور بے مثال ہوجائے اور کوئی عورت ازواجِ مطہرات کی مثل نہ ہو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ یہ کہ وہ ہماری طرح بشر کہلائیں؟ (نعوذ باللہ من ذالک)

مسلمانو! حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا ہرگز اہل ایمان کا طریقہ نہیں بلکہ یہ کفار و مشرکین کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ سب سے پہلے کسی نبی کو جس نے حقارت سے بشر کہا وہ شیطان تھا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قال لم اکن لاسجد لبشر (سورۂ حجر:۳۳)

بولا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ پر غور فرمایئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حقارت سے بشر کہنے والا پہلا گستاخ اور بے ادب شیطان تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کو حقارت سے بشر کہنا شیطانی عمل ہے۔ اسی طرح شیطان کے پیروکار یعنی کفار و مشرکین بھی انبیائے کرام کو اپنے جیسا بشر کہا کرتے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کفار و مشرکین نے کہا:

ما نرٰك الا بشرا مثلنا (سورۂ ہود:۲۷)

ہم تو تمہیں اپنے جیسا ہی بشر دیکھتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت ہود (علیہم السلام) کی قوم کے کافروں نے اپنے اپنے نبیوں سے یہی کہا:

ان انتم الا بشر مثلنا (سورۂ ابراہیم:۱۰)

تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے کے کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا:

وما انت الا بشر مثلنا (سورۂ شعراء:۱۸۶)

تم تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا شیطان اور کفار و مشرکین کا طریقہ ہے۔ اہل ایمان کا نہیں۔ مومنوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ نبی ہماری طرح بشر ہیں۔ جن آیاتِ مبارکہ میں انبیائے کرام سے یہ کہلوایا گیا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں۔ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ جس طرح انسان اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء بھی اللہ کے خاص بندے ہیں جس طرح کفار و مشرکین نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے اور نہ اس کے شریک بالکل اسی طرح انبیائے کرام بھی نہ خدا ہیں نہ اسکے بیٹے اور نہ ہی اسکے شریک۔

کفار ومشرکین کے سامنے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بار ہا اپنی بشریت کا اعلان کرنا اس وجہ سے بھی تھا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا ایک تو بغیر باپ کے پیدا ہونا اور دوسرے مردوں کو زندہ کر دینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزات تھے جسے دیکھ کر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا۔

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی تو سراپا معجزہ تھی۔

اہل مکہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت سے معجزے دیکھ چکے تھے آپ کے معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے کہیں زیادہ اہم تھے اور یہ وہ معجزات تھے جنہیں دیکھ کر یہ قوی امکان تھا کہ اہل مکہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا بیٹا کہہ دیں۔

اسی اندیشے کے پیش نظر بار بار اپنی بشریت کا اعلان فرمایا۔

دلائل و براہین سے یہ بات واضح ثبوت کو پہنچی کہ جس طرح ہم خدا نہیں، خدا کے بیٹے نہیں، جن نہیں، فرشتے نہیں بلکہ بشر ہیں بالکل اسی طرح حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی خدا نہیں، خدا کے بیٹے نہیں، جن نہیں، فرشتے نہیں بلکہ اللہ کے خاص بندے اور بشر ہیں۔ ذرا بتایئے! اس کلام سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ ہر ایرا غیرا یہ کہتا پھرے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ہمارے جیسے ایک بشر ہیں۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

کہاں ہماری بشریت اور کہاں افضل البشر فخر موجودات افضل الانبیاء، محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت۔

یہ حقیقت ہے کہ ظاہری طور پر آپ بشر ہی ہیں مگر ہم جیسے بشر نہیں بلکہ وہ بشر ہیں جن پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ جنہیں اللہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، جن کی بشریت فرشتوں کی نورانیت سے افضل و اکمل ہے، جو نبیوں کے امام اور رسولوں کے خطیب ہیں جن کی زبان منشائے خداوندی کی ترجمان، جن کی اطاعت خداوندِ قدوس کا فرمان، جن کی بیعت بیعتِ رحمان، جن کی تعظیم جانِ ایمان۔

ذرا بتایئے! کیا اس شان کا بشر اس عالمِ جہاں میں موجود ہے؟

☆ جن کا سینۂ اقدس وحیِ الٰہی کی آماجگاہ ہو، کیا ایسا کوئی دوسرا بشر ہے؟

☆ بعد از خدا بزرگ توئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ہے کیا اس شان والا کوئی دوسرا بشر ہے؟

☆ آپ کی اُنگلی کے اشارے پر چاند دو ٹکڑے ہوا۔ ذرا بتایئے اس شان کا کوئی دوسرا بشر ہے؟

☆ ڈوبا ہوا سورج آپ کے حکم سے واپس پلٹ آیا۔ از روئے ایمان بتایئے کیا اس دھرتی پر ایسا کوئی دوسرا بشر ہے؟

☆ جن کی اُنگلی مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہوئے، یہ کمال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ کیا اس سرزمین پر اس خوبی کا مالک کوئی دوسرا بشر ہے؟ .... جواب اپنے ایمان اور ضمیر سے طلب کیجیے!

مسلمانو! یاد رکھو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محض بشر سمجھنا اور آپ کی ذات مبارکہ کو عام انسانوں کی سطح پر لے آنا نہ صرف شدید قسم کی گمراہی اور بے دینی ہے بلکہ تمام گمراہیوں کی جڑ ہے۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت ہم پر واضح ہوجائے گی کہ قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے آئے ہیں جو انبیائے کرام نے عجز و انکساری کے طور پر اپنے لئے استعمال کیے ہیں مگر کوئی غیر ان کی شان میں وہی الفاظ کہے تو وہ گستاخ و بے ادب کہلائے گا۔

مثلاً قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں اس طرح عرض کی:

ربنا ظلمنآ انفسنا (سورۂ اعراف:۲۳)

اے ربّ ہمارے ہم نے اپنا آپ برا کیا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح عرض کی:

انی کنت من الظٰلمین (سورۂ انبیاء:۸۷)

بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔

مذکورہ بالا دونوں آیاتِ مقدسہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام نے اللہ کی بارگاہِ عالیہ میں عاجزی و انکساری کے طور پر اپنے لئے 'ظالمین' کے لفظ استعمال کیے۔ یہ ان کی کمال عاجزی ہے مگر کوئی دوسرا اگر ان حضراتِ قدسیہ کو ظالم کہے تو ایمان سے خارج ہوجائے گا۔ کسی غیر کو یہ حق حاصل نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ظالم کہے۔

اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔ یہ لفظ بشر فرمانے کی اجازت صرف حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے جو بطورِ تواضع انکساری کے آپ نے کفار کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے ارشاد فرمایا مگر حقیقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نور ہے۔ آپ کا ارشاد ہے، میں نور تھا اور آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے ربّ کے حریم ناز میں باریاب تھا۔ (ملاحظہ کیجئے کتاب الاحکام از امام ابن قطان)

ایک مرتبہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا اے جبرائیل تمہاری عمر کتنی ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی حضور اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک نورانی تارہ ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وعزۃ ربی انا ذلك الكوكب

میرے ربّ کی عزت کی قسم میں ہی وہ نورانی تارہ ہوں۔ (تفسیر روح البیان، ج۱ص۹۷۴)

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اس وقت بھی جگمگا رہا تھا جب ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اور سیّد الملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی تخلیق نہیں ہوئے تھے۔

شرح بخاری شریف میں حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا تو اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ کوئی فرشتہ تھا، نہ آسمان نہ زمین، نہ چاند نہ سورج، نہ کوئی جن نہ انسان، کچھ بھی نہ تھا۔ (ملاحظہ کیجئے مواہب لدنیہ، جلد ا صفحہ ۹)

پیارے مسلمانو! علماء فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اللہ کے نور کا جز ہے یا اللہ کے نور کا کوئی حصہ جدا ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور میں آ گیا۔ ایسا عقیدہ رکھنا سخت گمراہی اور کفر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اللہ کے نور سے کیونکر اور کس کیفیت سے پیدا ہوا اس کی کیفیت اور حقیقت سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے ذاتی نور سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کے پیدا ہونے کی یہ مثال اس طرح دی جا سکتی ہے کہ جیسے ایک شمع سے ہزار شمع روشن کی جائیں یا سورج کی روشنی سے چاند اور ستارے روشن ہوں۔ ایک شمع سے ہزار ہا شمع روشن ہوئیں کیا اس کی روشنی میں کمی آئی؟ ہرگز نہیں۔ سورج نے جس پر روشنی ڈالی وہ روشن ہو گیا۔ سورج کے نور میں کمی ہوئی؟ ہرگز نہیں۔ بلا تمثیل یہی مثال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کی اللہ کے نور سے پیدا ہونے کی ہے۔

مسلمانو! دلائل و براہین سے یہ ثابت ہوا کہ اگر اللہ نور ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نور ذاتی، قدیمی، ازلی، لامحدود، لامتناہی ہے۔ جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ہونا قدیمی، ازلی و ابدی نہیں بلکہ عطائی، محدود اور حادث ہے۔

اللہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور بنایا تو آپ نور ہوئے۔ جب ذاتی کا عطائی سے، لامحدود کا محدود سے، لامتناہی کا متناہی سے اور قدیمی کا حادث سے کوئی موازنہ، کوئی ہمسری، کوئی برابری نہیں تو شراکت کیسی؟ جب شراکت کا شائبہ تک نہیں تو پھر شرک کیسا؟ شرک تو اس وقت ہوتا جب کوئی یہ کہتا کہ جس طرح اللہ کا نور ہونا ذاتی، قدیمی اور لامتناہی ہے اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ہونا بھی ذاتی، قدیمی اور لامتناہی ہے۔

تو جو لوگ بعطائے الٰہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور مانتے ہیں وہ ہرگز مشرک نہیں ہو سکتے۔ وہ پکے اور سچے مسلمان ہیں ان کے مسلمان ہونے میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ان کا دامن شرک کی نجاست سے بالکل پاک و صاف اور چمکدار ہے کیونکہ حضور کا نور ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور جو لوگ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف بشر ہی مانتے ہیں اور نور ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ گمراہ بے دین ہیں جن سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہئے اور جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ذاتی، لامحدود، قدیمی صفات کے تحت مانتے ہیں وہ کھلے مشرک ہیں اور ایسا عقیدہ کسی مسلمان کا نہیں۔

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان

ہر مسلمان اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ 'حی' یعنی زندہ ہے۔ نہ اس کو نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ زندہ ہونا اس کی صفت ہے۔ مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو اس کی اس صفت میں شریک ہو وہ اپنی اس صفت میں بھی یکتا ہے اس کی یہ صفت اس کی طرح قدیم، ازلی، ابدی، لامحدود اور لامتناہی ہے وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت سے اپنے محبوب پیغمبر کو بھی نوازا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

انآ ارسلنٰك شاهدا ومبشرا ونذيرا (سورۂ فتح:۸)

بے شک اے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم نے تمہیں گواہ خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا بھیجا۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

ويكون الرسول عليكم شهيدا (سورۂ بقرہ:۱۴۳)

اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہیں۔

قرآن مجید کی اوپر دی گئی دونوں آیاتِ مبارکہ میں اللہ نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پوری انسانیت کیلئے گواہ ارشاد فرمایا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

ارسلت الى الخلق كافة (صحیح مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۱۲)

میں اللہ کی تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

قرآن وحدیث کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق کے گواہ ہیں اور گواہ میں چار باتوں کا ہونا ضروری ہے جب تک گواہ میں چار باتیں نہ ہوں گی اس کی گواہی ہرگز نہیں مانی جاسکتی۔

۱ ...... گواہ کیلئے سب سے پہلی بات یہ ضروری ہے کہ وہ زندہ ہو، اگر گواہ زندہ نہ ہو تو مرے ہوئے کی گواہی کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا چونکہ ازروئے قرآن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گواہ ہیں اور جب سب کے گواہ اور نگہبان ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زندہ ہونے پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

۲..... گواہ کیلئے دوسری بات یہ ضروری ہے کہ گواہ جائے وقوع پر موجود ہو، اگر وہ جائے وقوع پر موجود نہ ہو تو حقائق کی گواہی کیسے دے گا۔ گواہ کی گواہی اسی وقت مانی جائے گی جب وہ جائے وقوع یعنی جگہ پر موجود ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحکم الٰہی چونکہ تمام مخلوق کے گواہ ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر جگہ موجود ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

واعلموا ان فیکم رسول اللّٰہ (سورۂ حجرات:۷)

اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم (سورۂ احزاب:۶)

یہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے بارے میں مدرسہ دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی **تحذیر الناس** نامی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اولیٰ کے معنی قریب تر ہیں۔ (ملاحظہ ہو تحذیر الناس، صفحہ۱۰)

پس مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ سے واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ یاد رہے کہ سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان ہے اور جان سے بھی زیادہ قریب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

قل یایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا (سورۂ اعراف:۱۵۸)

تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انا اولی بکل مومن من نفسہ (نسائی شریف، جلد۱صفحہ۲۷۹)

میں ہر مومن سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

قرآن و حدیث کے ان ارشادات سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مومنوں کے قریب اور ان کی جان سے زیادہ نزدیک ہونا ثابت ہے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی نورانیت اور روحانیت سے ہر جگہ موجود ہیں اور ہر مومن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں تو پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر ایک کے گواہ و نگہبان کیونکر نہ ہوں گے۔

۳...... گواہ کیلئے تیسری بات یہ ضروری ہے کہ وہ تمام حالات وواقعات کواپنی آنکھوں سے دیکھ بھی چکا ہو، جب تک آنکھ حقائق کا خود مشاہدہ نہ کرے حقائق پوشیدہ رہتے ہیں حقائق وواقعات کو جاننے کیلئے ضروری ہے کہ گواہ خود اپنی آنکھوں سے حقائق کا جائزہ لے تاکہ تمام حقائق نکھر کر اس کی آنکھوں کے سامنے آجائیں۔ قابل غور بات ہے کہ ایک نابینا شخص کسی دو افراد کے جھگڑے میں موجود ہے وہ ان کو جھگڑتا ہوا محسوس کرتا ہے ان کی باتوں سے اور آواز سے بخوبی اندازہ لگا رہا ہے کہ جھگڑا ہو رہا ہے مگر دیکھ نہیں پا رہا کہ کون کمزور رہا کون طاقتور۔ اس حقیقت کو وہ نہیں بتا سکتا لہٰذا ایسے نابینا شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ گواہ کیلئے لازمی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے حالات کی گواہی دے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ ساری مخلوق کے گواہ ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی آنکھوں سے ساری مخلوق کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

٤...... گواہ کیلئے چوتھی بات ضروری یہ ہے کہ وہ حالات کو سن بھی چکا ہو۔ ایک دور کھڑا شخص دو افراد کو لڑتا دیکھ رہا ہے مگر حقائق سن نہیں پا رہا کہ فریقین میں سچا کون ہے جھوٹا کون۔ ایسے دور کھڑے دیکھنے والے کی گواہی غیر معتبر مانی جائے گی جب تک کہ وہ قریب سے حقائق سن نہ چکا ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از روئے قرآن پوری انسانیت کے گواہ ونگہبان ہیں لہٰذا اس بات پر بھی ایمان لانا ہوگا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیک وقت ساری انسانیت کو نورِ نبوت سے سن بھی رہے ہیں۔ اب اگر گواہ کے معنی کو یوں کیا جائے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق کے گواہ ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ بھی ہیں، دیکھنے اور سننے والے بھی ہیں اور ہر جگہ پر موجود بھی ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ویوم نبعث فی کل امۃ شھیدا علیھم من انفسم وجئنا بک شھیدا علیٰ ھٰؤلاء (سورۃ النحل:۸۹)

اور جس دن ہم ہر گروہ میں ایک گروہ انہیں میں سے اُٹھائیں گے کہ ان پر گواہی دے
اور اے محبوب تمہیں ان سب پر شاہد بنا کر لائیں گے۔

اس آیتِ مقدسہ کی تفسیر میں ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی اور ہر ایک کا حساب کتاب ہو رہا ہوگا تو اس موقع پر کچھ ایسے گروہ اور قبیلے بھی بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے جن کا تعلق سابقہ اُمتوں سے تھا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے اپنے اپنے زمانے کے نبیوں کی نافرمانیاں کیں۔ اللہ کے دین سے منہ موڑا اور توحید و رسالت کا انکار کیا۔ یہ لوگ میدانِ محشر میں بھی جھوٹ بولیں گے کہ 'اے اللہ ہمیں کسی نبی نے تیرا پیغام ہدایت نہیں دیا'۔

تو اس موقع پر وہ انبیاء کرام جو ان کے پاس تبلیغ دین کیلئے آئے تھے بطور گواہ پیش کیے جائیں گے۔ مگر یہ بدنصیب لوگ اپنے نبیوں کی گواہی کا بھی انکار کریں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان تمام انبیاء و مرسلین کیلئے گواہِ عظیم بنا کر پیش کرے گا۔ اس وقت سب کی نگاہیں آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لگی ہونگی۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام سابقہ اُمتوں کی گواہی دیں گے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ گواہی اس قدر جامع اور معتبر ہوگی کہ کوئی انکار و اعتراض تو درکنار چوں و چرا بھی نہیں کر سکے گا اور جہاں تک اپنی اُمت کی گواہی کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اگر تمہاری کسی نیکی کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب تمہارے گناہ کو دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں، تمہارے رسول تم پر گواہی دیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رُکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمہارے گناہوں کو پہچانتے ہیں، تمہارے ایمان کے درجوں کو پہچانتے ہیں، تمہارے نیک اور بد سارے اعمال کو اور تمہارے اخلاص کو اور ایمان کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر عزیزی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

حضرت علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ حضرت سعید بن حبیب کا قول نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر صبح و شام حضور کی اُمت پیش کی جاتی ہے۔ حضور اپنے ہر اُمتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں۔ اسی علم کامل کے باعث حضور قیامت کے روز سب کے گواہ ہوں گے۔ (ملاحظہ کیجئے قرطبی شریف)

ثابت ہوا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ صرف سابقہ اُمتوں کے نیک اور بد اعمال کے گواہ ہیں بلکہ اپنی اُمت کے نیک و بد اعمال ایمان و نفاق کے بھی گواہ ہیں۔ جب از روئے قرآن گواہ ہیں تو نورِ نبوت سے ہر اُمتی کے قریب بھی ہیں۔ اُمتی کے ہر عمل کو دیکھ بھی رہے ہیں اور سنتے بھی ہیں لہٰذا زندہ بھی ہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء (سورۂ بقرہ:۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔

غور فرمایئے! ایک شہید کا حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قطعی کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا۔ ایک اُمتی اللہ کی راہ میں اپنی گردن کٹا کر زندہ ہوسکتا ہے تو پھر امام الانبیاء کے زندہ ہونے میں کیسے شک کیا جاسکتا ہے۔ محبوب کبریا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی یرزق

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے اجسام کو کھانا حرام کردیا ہے پس اللہ کا ہر نبی زندہ ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔

(ملاحظہ کیجئے ابن ماجہ، صفحہ ۱۱۹۔ مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۱۲۱۔ جامع صغیر، صفحہ ۵۴۔ مرقاۃ، جلد ۲ صفحہ ۱۱۲)

مکتبہ دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی زکریا فضائل درود شریف میں تحریر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجساد کو زمین پر حرام کردیا پس کوئی فرق نہیں ہے ان کیلئے دونوں حالتوں میں یعنی زندگی اور موت میں اور حضور کا یہ ارشاد کہ 'اللہ کا ہر نبی زندہ ہے' سے مراد ہے اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔ (فضائل درود شریف، صفحہ ۶۶، ۶۷)

غیر مقلد اہلحدیث وہابیوں کے امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں، بے شک شہداء بلکہ تمام مسلمان جس وقت مسلمان ان کی زیارت کریں اور ان پر سلام بھیجیں تو وہ پہچانتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔

غور فرمایئے جب عام مسلمان کے زندہ ہونے کا یہ عالم ہے کہ وہ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں اور پہچانتے بھی ہیں تو اس عظیم برگزیدہ ہستی کی حیات کا کیا عالم ہوگا جو تمام کائنات کے نبی اور امام الانبیاء ہیں۔ بلاشبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات تمام مخلوق سے افضل و کامل ہے۔ آپ کو ایک آن کیلئے موت ضرور آئی ہے پھر اسکے بعد آپ میں روح ڈال دی گئی اور اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

سفرِ معراج کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک سرخ ٹیلہ نظر آیا۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ معراج کی رات میں سرخ ٹیلے سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے اور وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجدِ اقصیٰ پہنچے تو تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام آپ کا استقبال کرنے کیلئے پہلے سے موجود تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام انبیاء ورسل کی امامت فرما کر نماز ادا کی پھر آپ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ جب آپ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو پچاس نمازوں کا تحفہ اُمت کیلئے دیا۔ آپ جلوۂ الٰہی سے سرفراز ہو کر عرش و کرسی، لوح وقلم، جنت و دوزخ، قدرت کے عجائب و غرائب اور اسرار و رموز اور غیب کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ فرمانے کے بعد جب واپسی کیلئے روانہ ہوئے تو چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! بارگاہِ الٰہی سے کیا عطا ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت پر روزانہ پچاس نمازیں فرض ہونے کا ذکر فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے اے اللہ کے نبی! میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل پر خوب تجربہ کیا ہے، آپ کی اُمت پچاس نمازوں کا بار نہ اُٹھا سکے گی۔ آپ واپس جائیے اور نماز میں کمی کرائیے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر بارگاہِ الٰہی میں تشریف لے گئے اور دس نمازیں کم کرالیں۔ واپسی پر پھر ملاقات ہوئی اور پھر نماز کم کرانے کا مشورہ دیا۔ حضور پھر بارگاہِ الٰہی میں پہنچے اور دس نمازیں کم کرالیں۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشوروں سے آپ بار بار بارگاہِ خداوند قدوس میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ کم ہوتے ہوتے پانچ وقت کی نماز رہ گئی۔

مسلمانو! آپ نے پڑھا کہ سفرِ معراج کے اس سچے واقعہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جس سے یہ واضح ہوا کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور آنِ واحد میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جہاں قبر میں زندہ تھے وہاں بیت المقدس میں تمام انبیاء ورسل کے ہمراہ بھی تھے اور تمام انبیاء نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی۔ جس سے واضح ہوا کہ تمام انبیاء زندہ ہیں اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک چشم زدن میں رسائی فرماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس سے روانگی کے وقت ساتوں آسمانوں پر مختلف انبیائے کرام سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاقاتیں فرمائیں۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پچاس نمازوں کو پانچ نمازوں تک کم کرا کے اُمتِ رسول کی رہنمائی فرمائی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کو موت نہیں وہ زندہ اور باقی ہیں۔ ان کے واسطے وہی ایک موت ہے جو ایک دفعہ آچکی اس کے بعد ان کی روحیں بدن میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے تکمیل الایمان، صفحہ ۵۸)

پس ثابت ہوا کہ جس طرح شہداء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں انبیاء بھی زندہ ہیں اللہ کے 'حی' یعنی زندہ ہونے پر بھی ہمارا ایمان تو انبیاء کے زندہ ہونے پر بھی یقین ہونا چاہئے، اللہ کا زندہ ہونا ذاتی قدیمی ہے جو اس کی ذات سے منسلک ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں جبکہ انبیاء کا زندہ ہونا عطائی حادث اور محدود ہے۔ اللہ نے انہیں زندہ کیا تو وہ زندہ ہوئے۔ اللہ کا زندہ ہونا لامحدود لامتناہی ہے۔ جبکہ انبیائے کرام کا زندہ ہونا محدود و متناہی۔

غور فرمایئے جب لامحدود کا محدود سے، لامتناہی کا متناہی سے، قدیم کا حادث سے، ذاتی کا عطائی سے قطعی کوئی ہمسری یا برابری نہیں اب کون ہے جو یہ کہے کہ یہ شراکت ہے جب شراکت کا سرے سے وجود ہی نہیں تو پھر شرک کیسا؟ پس جو لوگ انبیاء و اولیاء اور شہداء کو بعطائے الٰہی زندہ مانتے ہیں وہ مشرک نہیں ہو سکتے۔ وہ قطعی مسلمان ہیں اور ان کے مسلمان ہونے میں ذرّہ برابر شک نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا مشرک ہونا اس وقت ثابت ہوتا جب وہ انبیاء و اولیاء یا شہداء کا زندہ ہونا قدیمی ازلی اور ذاتی صفات کے تحت مانتے اور جو لوگ انبیاء، اولیاء، شہداء کے زندہ ہونے کے منکر ہیں اور نعوذ باللہ انہیں مردہ مانتے ہیں ایسے لوگ منکرِ قرآن ہیں ان کے اس انکار سے قرآن مجید کی کئی آیتوں اور کئی حدیثوں کا انکار ہو جائے گا اور قرآن و حدیث کا منکر کافر و مرتد ہے۔

لہٰذا جنہوں نے انبیاء کو مطلقاً زندہ نہ جانا یعنی جو حیات النبی کے قطعی قائل نہیں حقیقت میں وہی لوگ قرآنی آیات کے منکر ہیں۔

مسلمان بھائیو! دلائل و براہین سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اس سے حیات النبی کا متنازعہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ واقعی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیات ہیں۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری اُمت کے گواہ و نگہبان اور مومنین کی جان کے مالک اور جان سے زیادہ نزدیک ہیں جس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُمت کے حال سے باخبر ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر بھی ہیں۔

حاضر و ناظر کا بیان

مسلمانو! یہ ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں جسے سمجھنا مشکل ہو۔ تھوڑی سی توجہ سے آپ اس مسئلہ کو بھی با آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ حاضر کے معنی ہیں سامنے موجود ہونے کے اور ناظر کے معنی ہیں دیکھنے والے کے۔ جہاں تک ہماری نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جہاں تک ہم تصرف کر کے پہنچ جائیں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ چاند کو ہم دیکھ تو سکتے ہیں لہٰذا ناظر ہیں مگر پہنچ نہیں سکتے لہٰذا حاضر نہیں۔ جبکہ اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالمین کیلئے مبعوث فرمائے گئے ہیں لہٰذا آپ تمام عالمین کے ناظر بھی ہیں اور تمام عالمین میں بعطائے الٰہی حاضر بھی ہیں۔

مسلمانو! جیسا کہ شروع میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے تمام کائنات کی تخلیق ہوئی۔ جس طرح روح اپنے جسم کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت کائنات کے ذرّے ذرّے میں موجود اور جاری و ساری رہتی ہے۔ آپ کے حاضر و ناظر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ شکلِ انسانی میں ہر جگہ موجود اور حاضر ہیں۔ آپ کا حاضر و ناظر ہونا اپنی روحانیت اور نورانیت کے سبب ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسمانی حالت میں جہاں تشریف لے گئے وہاں جسمانیت منتقل ہوئی۔ جہاں پہنچے وہاں جسمانیت پہنچی، جہاں سے آئے جسمانیت وہاں سے روانہ ہوئی لہٰذا اس ضمن میں جو بھی جگہ حضور کے جسم سے خالی ہوئی وہ جگہ حضور کی نورانیت اور روحانیت سے ہرگز خالی نہیں ہوئی۔ آپ اپنی روحانیت اور نورانیت کے سبب بیک وقت ہر ہر مقام پر موجود اور حاضر و ناظر رہتے ہیں اور آنِ واحد میں مشرق و مغرب شمال و جنوب اور کائنات میں جہاں چاہیں جلوہ افروز ہوتے ہیں اور بسا اوقات جسمِ اطہر کے ساتھ جلوہ گر ہو کر اپنے غلاموں کو اپنے جمالِ اقدس کی زیارت اور نگاہِ کرم کی رحمت سے سرفراز بھی فرماتے ہیں آپ کی جسمانیت مطہرہ حقیقت حیات کے ساتھ قبرِ انور میں جلوہ گر ہے جبکہ آپ کی روحانیت اور نورانیت تمام عالم اور اطرافِ عالم میں موجود و حاضر ہے جس طرح سورج آسمان پر موجود ہے مگر اس کی روشنی پوری دنیا کو منور کر رہی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبرِ انور میں جسمِ اطہر کے ساتھ موجود ہیں مگر اپنی نورانیت اور روحانیت سے تمام عالمین کو منور فرما رہے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

لقد جآءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم (سورۂ توبہ:۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔

مذکورہ بالا آیتِ مقدسہ میں بھی حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے وہ اس طرح کہ مذکورہ آیتِ کریمہ میں قیامت تک کے مسلمانوں سے اللہ کا خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جس سے واضح ہوا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روئے زمین کے مسلمانوں کے پاس موجود ہیں۔ جس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ پھر مزید مذکورہ بالا آیت میں فرمایا کہ ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہوتا ہے جس سے معلوم یہ ہوا کہ ہماری ہر طرح کی خوشی اور غمی راحت و تکلیف کی آپ کو خبر ہے اسی لئے تو ہماری تکلیف سے قلبِ نازنین کو تکلیف پہنچتی ہے۔

معلوم ہوا کہ حاضر و ناظر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسمِ اطہر متعدد نہیں بلکہ ایک ہے۔ آپ کے مثل کوئی دوسرا ہرگز نہیں۔

ذرا غور کیجئے انسانوں کی روح قبض کرنے والا فرشتہ ایک ہے مگر وہ ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر بے شمار انسانوں کی روح قبض کر لیتا ہے کیا اس فرشتے کو متعدد کہہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ملک الموت الذی وکل لکم

ایک فرشتہ ملک الموت ہے جو ارواح کے قبض کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ ساری زمین ملک الموت کے سامنے اس طرح ہے جیسے ایک آدمی کے سامنے تھالی ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ فرشتہ کو متعدد ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی مقام پر بیٹھ کر ایک ہی وقت میں کئی انسانوں کی روح قبض کرتا ہے۔ دیوبند مکتبہ فکر کے مفتی رشید احمد گنگوہی نے اپنی کتاب میں طبرانی کی ایک حدیث کو نقل کیا ہے کہ ملک الموت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا ایسا کوئی گھر نہیں نیک یا بد آدمیوں کا جس کی طرف مجھ کو توجہ نہ ہو رات دن دیکھتا رہتا ہوں اور ہر چھوٹے بڑے کو ایسا پہچانتا ہوں کہ وہ خود بھی اپنے کو اس قدر نہیں پہچانتے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ موت کا فرشتہ ایک ہے مگر وہ ہر جگہ حاضر اور موجود ہے کوئی انسان اس سے پوشیدہ نہیں وہ ہر انسان کو دیکھنے والا یعنی ناظر بھی ہے ایک فرشتے کے مقام و مرتبے کا آپ نے اندازہ لگایا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ فرشتے سے بلند تر ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کانما انظر الی کفی ھذہ (زرقانی شریف، جلد ۷ صفحہ ۲۰۴)

سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ پوری دنیا کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح اپنی ہتھیلی کو دیکھتے ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ تو کہیں آنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی متعدد ہونے کی بلکہ آپ ایک ہی مقام یعنی اپنی قبرِ انور میں تشریف فرما ہو کر سارے عالم کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور اس طرح سے مشاہدہ فرما رہے ہیں جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی دیکھتے ہوں۔ سارا عالم مثل ہتھیلی آپ کے پیشِ نظر ہے۔ کوئی انہیں اپنے سے دور سمجھتا ہے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے لیکن وہ ہم سے دور نہیں۔ دور و نزدیک کی قید ہمارے لئے ہو سکتی ہے ان کیلئے دور و نزدیک سب یکساں ہیں۔ غور کیجئے کہ اللہ نے ایک فرشتے کو یہ مقام عطا کیا کہ پوری دنیا تھال کی مانند سامنے ہے تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام تو فرشتے سے بلند تر اور اکمل ہے لہٰذا یہ ساری دنیا آپ کے سامنے ہتھیلی کی مانند ہے۔ جس طرح تھالی کی سطح چوڑی کشادہ اور پھیلی ہوئی ہوتی ہے فرشتے کیلئے یہ کائنات چوڑی کشادہ اور پھیلی ہوئی ہے جبکہ حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اس ساری کائنات کی وسعت ہتھیلی کی مانند کم، مختصر اور تھوڑی ہے۔ لہٰذا جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب حضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر مسجد میں بھی حاضر ہوئے تو پھر حضور کو امام بناؤ۔

جب حضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو اس وقت جہاں ہم کھڑے ہیں تو حضور بھی یہاں ہوئے جب یہاں ہیں تو کہاں ہیں؟

جب حضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟

اس قسم کے اعتراض وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکر ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کو بغض و عناد کی عینک آنکھوں پر چڑھا کر پڑھا اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا حضور کو گواہ بنایا اور آپ اپنی اور سابقہ اُمتوں کی گواہی دیں گے اور گواہی ہمیشہ وہی دے گا جو حالات کو جاننے والا دیکھنے والا زندہ اور حاضر ہو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقی زندگی کیساتھ زندہ، دائم اور باقی ہیں اور اُمت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ (حاشیہ اخبار الاخیار)

علامہ زرقانی ارشاد فرماتے ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیاتِ ظاہری اور بعدِ انتقال اپنی اُمت کے احوال، نیتوں، اِرادوں اور قلبی وسوسوں کے دیکھنے اور پہچاننے میں برابر ہیں اور یہ بات ان کے نزدیک ظاہر ہے پوشیدہ نہیں۔ (ملاحظہ کیجئے زرقانی شرح مواہب لدنیہ، جلد ۱ صفحہ ۱۳۰۶۔ مطبوعہ مصر)

پس معلوم ہوا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورِ نبوت سے ہر ہر اُمتی کے اعمال و افعال کو ملاحظہ فرما رہے ہیں اور جہاں چاہیں جتنی جگہ چاہیں بیک وقت جلوہ فرماتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا تو اللہ کی صفت ہے کسی غیر کی نہیں ہے۔ تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ اللہ جگہ اور مکان سے پاک و منزہ ہے وہ جگہ اور مکان میں محدود نہیں۔ اللہ کو جگہ و مکان میں محدود سمجھنا بے دینی اور گمراہی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اسی اسم کا اطلاق کر سکتے ہیں جو قرآن و حدیث میں آیا ہو اور جو نام قرآن و حدیث میں نہیں آیا اس نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں اللہ کے حاضر و ناظر کا لفظ پورے قرآن میں کہیں نہیں۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ کسی مکان اور حدود میں موجود کو حاضر کہا جاتا ہے اور جو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھے اس کو ناظر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو جسم، آنکھ، مکان اور حدود سے پاک ہے۔ جب اللہ جسم سے پاک تو حاضر ہونا کیسا؟ جب مادی آنکھوں سے پاک ہے تو ناظر ہونا کیسے ہوگا؟ جو جسم و جسمانیت سے پاک ہو وہ حقیقی معنی میں نہ حاضر ہوگا اور نہ ہی ناظر۔ علماء فرماتے ہیں کہ لغت میں حاضر اور ناظر کے جو حقیقی معنی بتائے گئے ہیں اس کی روشنی میں اگر کوئی خدا کو حاضر و ناظر کہے گا تو وہ کافر ہو جائیگا۔ کیونکہ حقیقی معنوں میں حاضر اسے ہی کہا جائیگا جو حدود و مکان میں جسم کے ساتھ موجود ہو اور ناظر اسے کہا جائیگا جو سر کی آنکھوں سے دیکھے جبکہ اللہ ان سے پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں کہیں بھی یہ لفظ اللہ کیلئے استعمال نہیں ہوا۔ البتہ اللہ کو جو علیم و خبیر کے معنی میں حاضر و ناظر کہتا ہے تو یہ تاویل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو صفاتی نام قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں ان میں کہیں حاضر و ناظر نہیں البتہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی شان ہے اور حضور کو یہ شان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ صفت عطائی، حادث، محدود اور قبضۂ الٰہی میں ہے اور جبکہ اللہ کی صفت کسی کے قبضے میں نہیں۔ غور فرمایئے اتنے واضح فرق کے ہوتے ہوئے شرک کیسا؟

عالم الغیب صرف اللہ ہے

عالم الغیب ہونا اللہ کی صفت ہے اور اس صفت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ ہر پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کو غیب کہتے ہیں جو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو (سورۃ انعام:۵۹)

اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو وہی جانتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

انک انت علام الغیوب (سورۃ مائدہ:۱۰۹)

بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا۔

مذکورہ بالا دونوں آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ غیب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور دوسرا کوئی نہیں۔

غیب کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں، وہ علم جو اس کی رسائی سے بالاتر ہو اور قوتِ عقل سے حاصل نہ کیا جاسکے، اسے غیب کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ غیب کا علم نہ تو علم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی انسانی عقل سے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ (سورۃ نمل:۶۵)

تم فرماؤ اللہ کے سوا کوئی آسمانوں اور زمین میں غیب نہیں جانتے۔

اس آیتِ کریمہ میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ زمین و آسمان میں جو بھی موجود ہیں یعنی فرشتے، جنات، انسان، علماء، شہداء، اولیاء، انبیاء یا کوئی اور مخلوق کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ یہ شان تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ وہ عالم الغیب ہے۔ جس طرح اس کی ذات و صفات میں کوئی دوسرا ہمسری کا دَم نہیں بھر سکتا بالکل اسی طرح اس ربّ کائنات کی صفت علم میں بھی کوئی ہمسری نہیں کرسکتا۔

اگر کوئی شخص اس زمین و آسمان میں کسی کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت علم میں شریک کرے گا تو وہ بھی اسی طرح مشرک ہوگا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگا جس طرح اس کی دوسری صفات میں کسی کو شریک بنانے والا یا اس کی ذات کی طرح کسی کو واجب الوجود، معبود و مسجود ماننے والا مشرک ہوتا ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ خفیہ اور پوشیدہ باتوں کا جاننے والا صرف اللہ ہے۔ اللہ کے سوا غیب کا علم کوئی نہیں جانتا اگر اللہ چاہے تو اپنی مخلوق کو بھی غیب کا علم عطا کر دیتا ہے، بلکہ اللہ اپنی مخلوق کو اُس کی حیثیت کے مطابق علم عطا کرتا ہے کسی کو کم تو کسی کو زیادہ۔ اللہ کے بتائے بغیر کون ہے جو کچھ جان سکے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو علمِ غیب ہے یا نہیں؟ اگر غور و فکر کا دامن اپنے ہاتھوں میں تھام کر قرآن مجید کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہم پر یہ واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو اُمورِ غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے۔ قرآن مجید کی کئی آیتوں اور بے شمار احادیث سے انبیائے کرام کا غیب داں ہونا ثابت ہے اور یہ علومِ غیبیہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن مجید اس حقیقت کو اس طرح بیان فرماتا ہے:

غلم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احدا الا من ارتضیٰ من رسول (سورۂ جن:۲۶)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولٰکن اللّٰہ یجتبی من رسلہٖ من یشاء (سورۂ آل عمران:۱۷۹)

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

قرآن مجید کی اوپر دی گئی دونوں آیات سے صاف ظاہر ہوا کہ اللہ اپنے غیبوں پر مرتضیٰ، منتخب شدہ اور پسندیدہ رسولوں کے علاوہ کسی اور کو مطلع نہیں فرماتا۔ کسی غیر نبی کو یہ کمال حاصل نہیں کہ انہیں علمِ غیب عطا کیا گیا ہو۔ علمِ غیب کی یہ صفات مخصوص انبیاء ہی کو عطا کی گئی ہیں۔ انبیاء کی برکتوں سے علمِ غیب اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتا ہے مگر براہِ راست نہیں۔

علمِ غیب ایک ایسا پوشیدہ علم ہے جس تک نہ تو انسانی عقل رسائی کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کے ظاہری اسباب، علمِ غیب تمام علوم پر غالب ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے برسات کی مانند برستا اور چشمے کی مانند اُبلتا ہے۔ یہ علم اللہ اپنے الطاف و کرم سے اپنے مخصوص مرتضیٰ اور پسندیدہ رسولوں ہی کو عطا کرتا ہے۔ جس کا اندازہ قرآن مجید کی کئی آیاتِ کریمہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا غیبی علم

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وعلم آدم الاسمآء کلہا

اور اللہ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کتنے علوم عطا فرمائے اور کن کن علوم و معارف کا عالم بنایا اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خلافت سے سرفراز کرنا چاہا تو تمام اشیاء کے ناموں اور ان کی حکمتوں کا علم الہام کے ذریعہ ایک لمحہ میں عطا کر دیا اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم سے حضرت آدم علیہ السلام چند لمحوں میں تمام علوم و معارف کے جامع الکمالات بن گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام تمام زبانوں میں سکھا دیئے اور ان کو تمام ملائکہ کے نام اور تمام اولادِ آدم کے نام اور تمام حیوانات ونباتات و جمادات کے نام اور ہر ہر چیز کی صنعتوں کے نام اور تمام شہروں اور تمام نبیوں کے نام اور تمام پرندوں اور درختوں کے نام اور جو آئندہ عالم وجود میں آنے والے ہیں سب کے نام اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جانداروں کے نام اور تمام کھانے پینے کی چیزوں کے نام اور جنت کی تمام نعمتوں کے نام اور ہر ہر چیزوں اور سامانوں کے نام یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کے نام اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (حضرت آدم علیہ السلام) کو سات لاکھ زبانیں سکھائی ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے روح البیان، جلد ا صفحہ ۱۰۰ از امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

مسلمانو! ذرا حضرت آدم علیہ السلام کے علوم غیبیہ کی وسعت کا اندازہ لگایئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا علم عطا کر دیا حتی کہ جو انسان قیامت تک پیدا ہوں گے ان تک کے نام کا آپ کو علم ہے۔ ایمانداری سے بتایئے کہ دُنیا میں کوئی ایسا انسان یا کوئی سائنسی آلہ ہے جس کا علم اتنا وسیع ہو؟ ہرگز نہیں۔ یہ کمال صرف اللہ کے نبی کو حاصل ہے کہ وہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے نام، تمام حیوانات ونباتات کے نام، تمام نبیوں کے نام، تمام پرندوں اور درختوں کے نام، کھانے پینے کی اشیاء کے نام اور جنت کی تمام نعمتوں کے نام جانتے ہیں اور جانتا وہی ہے جو اس کو دیکھ چکا ہو۔ لہٰذا آپ ان تمام چیزوں کو دیکھنے والے اور جاننے والے ہیں یہ سب کچھ جاننا ہمارے لئے غیب ہے جبکہ بعطائے الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کیلئے غیب نہیں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا غیبی علم

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

وکذلك نری ابراهیم ملکوت السمٰوٰت والارض (سورۂ انعام:۷۵)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

اس آیتِ کریمہ میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کے سارے انوار و تجلیات دکھادیئے۔ عرش سے تحت الثراء تک ہر چیز آپ پر ظاہر کردی گئی۔ زمین و آسمان کی تمام اشیاء کی حقیقت پر آپ کو گواہ کردیا گیا تاکہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں پر مطلع ہوکر آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، علم اور قدرتِ کاملہ کے بارے میں عین الیقین کے مرتبہ پر فائز ہوجائیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی علمیت اور مرتبہ کمال کی واضح دلیل ہے کہ آپ کو زمین و آسمان کی بے کراں وسعتوں کا علم ہے۔

مسلمانو! ذرا بتایئے دنیا میں کوئی ایسا انسان ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ اس نے زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب کچھ دیکھا ہے ہرگز نہیں۔ جنت و دوزخ، آسمان کی تمام اشیاء اٹھارہ ہزار عالم اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ہمارے لئے غیب ہیں لیکن آپ نے پڑھا کہ اللہ نے یہ تمام غیب کی چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھادیں لہٰذا آپ ان تمام غیبوں کو جاننے والے اور مشاہدہ کرنے والے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا غیبی علم

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے ان الفاظ میں اپنے علم غیب کا اظہار کیا:

واعلم من اللّٰہ مالا تعلمون (سورۂ یوسف:۸۶)

اور مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے بغض وحسد کی بناء پر کنویں میں ڈال دیا اور یعقوب علیہ السلام کو جا کر کہہ دیا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔

ایک قافلے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا اور اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو آپ کی جدائی کا بہت صدمہ ہوا اور بیٹے کے غم میں روتے روتے آنکھیں کمزور ہوگئیں۔ برسوں بعد حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بنے۔ اسی دوران آپ کے بھائیوں کا مصر جانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو پہچان گئے بھائیوں نے بھی آپ کو پہچان لیا اور اپنے کئے پر ندامت کا اظہار کیا۔ آپ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ جب آپ نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال پوچھا تو بھائیوں نے کہا کہ وہ آپ کی جدائی میں رو رو کر اپنی آنکھوں کی بینائی کمزور کر چکے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ سن کر رنجیدہ ہوگئے پھر آپ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا:

تم لوگ میرا یہ کرتا لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ (سورۂ یوسف:۹۳)

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ آپ کا بھائی یہودا اس کرتے کو لے کر مصر سے چلا ہی تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس ہوئی اور اپنے پوتوں سے فرمایا:

انی اعلم جد ریح یوسف (سورۂ یوسف:۹۴)

بے شک میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں۔

پوتوں نے کہا نہ جانے یوسف کہاں ہیں جو آپ ان کی خوشبو محسوس کر رہے ہیں۔ جب یہودا کرتا لے کر گھر پہنچا اور کرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا ان کی آنکھیں فوراً روشن ہوگئیں۔ پھر آپ نے اپنے پوتوں سے فرمایا:

واعلم من اللّٰہ مالا تعلمون (سورۂ یوسف:۸۶)

اور مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔

معلوم ہوا کہ اللہ نے نبیوں کو اپنی شان وتجلیات کا ایسا علم عطا فرمایا ہے جو کسی غیر نبی کو عطا نہیں فرمایا۔ اسی علم کی برکت سے وہ سارے عالم کے ذرہ ذرہ کو دیکھتے ہیں۔ کبھی وہ تجلیاتِ الٰہی میں اس درجہ گم ہو جاتے ہیں کہ اس وقت انہیں تجلیاتِ الٰہی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ان کیفیات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اہل ادراک اور اہل نظر ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا غیبی علم

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایک مرتبہ دو شخص قید خانے میں داخل ہوئے ان میں سے ایک کہنے لگا میں نے خواب دیکھا کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرا کہنے لگا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن میں سے پرندے کھاتے ہیں ہمیں اس کی تعبیر بتادی جائے بے شک ہم آپ کو نیکو کار دیکھتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن سے ارشاد فرمایا، اے قید خانے کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلائے گا رہا دوسرا وہ سولی پر چڑھا دیا جائے تو پرندے اُس کا سر کھائیں گے۔

اس واقعہ کو قرآن مجید میں سورۂ یوسف میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ تعبیر سن کر ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا، ہم نے خواب نہیں دیکھا ہم تو ہنسی کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

قضی الامر الذی فیہ تستفتین (سورۂ یوسف:۴۱)

حکم ہو چکا اُس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے۔

چنانچہ یہی ہوا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا۔ ایک اپنے عہدہ پر بحال کر دیا گیا اور جبکہ دوسرا سولی پر چڑھا دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے نبیوں کو غیب کی خبر ہوتی ہے اور غیب کی خبروں کا یہ علم اُنہیں اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

مسلمانو! انبیائے کرام علیہم السلام کو جو علم غیب عطا کیا گیا اس کا احاطہ کرنا کسی انسان سے ممکن ہی نہیں انبیاء کے علم غیب کا تو کہنا ہی کیا حقیقت تو یہ ہے کہ انبیاء کے توسل سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب حاصل ہو جاتا ہے بلکہ میرا تو ایمان ہے کہ انبیاء کی نظر عنایت سے جانور بھی پوشیدہ خبر جان لیتے ہیں جس کا اندازہ آپ حسب ذیل قرآن آیات سے لگا سکتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا غیبی علم

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا:

یا یہا الناس علمنا منطق الطیر (سورۂ نمل:۱۶)

اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی۔

اس آیتِ مبارکہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت کے علاوہ بادشاہت بھی عطا فرمائی تھی جب آپ نے بادشاہ ہونے کا اعلان فرمایا تو آپ کے حکم پر تمام ارض وہوا کے درندے پرندے، کیڑے مکوڑے، جن وانس حاضر ہوگئے۔ جب جانوروں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنا ہم زبان اور رازداں پایا تو دل وجان سے آپ پر فدا ہوگئے۔ سب نے اپنی چوں چوں ترک کر دی اور فصیح وبلیغ زبان میں باتیں کرنے لگے۔

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں درندے پرندے حاضر تھے اور حکمت و دانائی کی باتیں کر رہے تھے۔ علم وحکمت، تجربے ودانائی کی یہ نہریں دربارِ سلیمانی میں رواں دواں تھیں کہ حضرت سلیمان نے ہر ایک سے ان کی خوبیاں پوچھیں آخر میں ہدہد کی باری آئی۔ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی، اے علم وحکمت والے بادشاہ! مجھ میں ایک خوبی یہ ہے کہ جب میں بے پناہ بلندیوں پر پرواز کرتا ہوں تو پانی اگر زمین کی پاتال میں بھی ہو تو مجھے نظر آجاتا ہے اور میں یہ جان لیتا ہوں کہ اس پانی کی خاصیت کیا ہے، کتنی گہرائی میں ہے، اس کا رنگ کیا ہے، زمین سے نکل رہا ہے یا پتھر سے رس رہا ہے۔ اے اللہ کے نبی آپ مجھے اپنے لشکر میں شامل کر لیجئے تاکہ آپ کو پانی کی ضرورت پڑے تو میں نشاندہی کرسکوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی تعریف فرمائی اور اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔

کوا جو قریب ہی کھڑا یہ باتیں سن رہا تھا مارے بغض وحسد کے کالا پڑ گیا۔ انگاروں پر لوٹنے لگا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آکر کہنے لگا، یہ ہدہد قطعی جھوٹا ہے اسے اس کے جھوٹ کی سزا دی جائے۔ اس سے پوچھے کہ اگر تیری نظر ایسی ہی تیز ہے کہ پاتال میں چھپا پانی بھی دیکھ لیتی ہے تو پھر تجھے چھپا ہوا وہ جال دکھائی کیوں نہیں دیتا جو شکاری تجھے پھانسنے کیلئے لگاتا ہے۔ اگر واقعی تیری نظر کا یہ کمال ہے تو پھر گرفتار کیوں ہوتا ہے؟ کوّے کی بات سن کر ہدہد نے کہا، اے بادشاہ کوے کی بات پر دھیان ہرگز نہ دیجئے اگر میرا دعویٰ صحیح نہ ہو تو یہ گردن حاضر ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ مجھے وہ جال کیوں نظر نہیں آتا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ کی طرف سے میری موت کا پروانہ جاری ہوجائے تو میری نگاہ کی خوبی کیا کرسکتی ہے۔ اللہ کی مشیت کے سامنے میری عقل کی روشنی بجھ جاتی ہے، چاند سیاہ ہوجاتا ہے، سورج کو گہن لگ جاتا ہے، اسوقت میری آنکھوں کی بصارت ختم ہوجاتی ہے اور میں قید کر لیا جاتا ہوں۔

مسلمانو! اس واقعہ پر غور فرمایئے اور ذرا بتایئے کہ ہدہد کا زمین کی تہہ میں موجود پانی کی خبر دینا چھپی ہوئی خبر ہے یا نہیں؟ یقیناً ہے ایک نبی کی صحبت میں بیٹھنے والے ایک پرندے کی علمیت کا جب یہ عالم ہے کہ وہ دورانِ پرواز زمین کی پاتال میں پانی دیکھ لیتا ہے ذرا بتایئے اس نبی کے علمِ غیب کی شان ووسعت کا کیا عالم ہوگا جو ان سب کا بادشاہ اور اللہ کا نبی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ کا گزر ایک ایسی وادی سے ہونا تھا جہاں چیونٹیوں کی آبادی تھی۔ ابھی لشکر اس وادی سے تین میل کے فاصلے پر تھا کہ چیونٹیوں کی سردار نے گھبرا کر تمام چیونٹیوں کو مخاطب کر کے کہا:

یا یھا النمل ادخلوا مسکنکم لا یحطمنکم سلیمٰن وجنودہ وھم لا یشعرون (سورۂ نمل:۱۸)

اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام تین میل دُور تھے کہ انہوں نے ہزار ہا نشیب و فراز کے باوجود نہ صرف اس چیونٹیوں کے لشکر کو دیکھ لیا بلکہ ملکہ کی آواز کو بھی سن لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

فتبسم ضاحکا من قولھا (سورۂ نمل:۱۹)

اس کی بات سے مسکرا کر ہنسے۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام چھپے ہوئے حالات سے باخبر ہوتے ہیں اور ان کیلئے دور و نزدیک سب یکساں ہیں۔

کس قدر خوش نصیب ہے وہ چیونٹی جس کا ذکر رہتی دنیا تک قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ جانتی تھی کہ انبیاء ہرگز کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ وہ انتہائی رحم دل اور مخلوق خدا پر مہربان ہوتے ہیں لہٰذا ان کا یہاں سے گزرنا اور اس لشکر سے چیونٹیوں کا کچلا جانا یقیناً توجہ نہ ہونے کی وجہ سے ہوسکتا ہے قصداً نہیں۔ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام سے محبت و عقیدت کا ہی یہ انعام تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چیونٹی جیسی چھوٹی سی مخلوق کو اس قدر علم عطا کر دیا کہ تین میل کی دوری سے اس نے یہ جان لیا کہ آنے والا لشکر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے۔ وہ یہ بھی جان گئی کہ یہ لشکر یہاں سے ہی گزرے گا۔ ہزار ہا نشیب و فراز کے باوجود چیونٹی نے چھپے ہوئے لشکر کو دیکھا اس پوشیدہ خبر کا علم اسے کس نے دیا؟ یقیناً اللہ تعالیٰ نے۔ ذرا سوچئے اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی کا اندازہ لگائیے اور بتائیے کہ جب ایک حقیر و معمولی چیونٹی کی خبر گیری کا یہ عالم ہے کہ اس قدر دوری کے باوجود آنے والے لشکر کو دیکھ لیا اور گھوڑوں اور اونٹوں کی ٹاپوں کی آواز کو سن لیا تو اللہ تعالیٰ کے اس نبی کے علم کی وسعت اور غیب دانی کا کیا عالم ہوگا جو اپنے لشکر کے ہمراہ وہاں سے گزر رہا ہے اور آپ نے قرآن میں یہ پڑھ بھی لیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی اس بات کو سن کر مسکرائے۔ یقیناً یہ ان کے علم کا ایک ادنیٰ کمال ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا۔ آج تک دنیا میں کوئی ایسا آلہ یا انسان نہیں ہوا جو کسی چیونٹی کی آواز سن سکے۔ یہ کمال صرف اللہ کے نبی کو حاصل ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غیبی علم

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ تعالیٰ کی بڑی برگزیدہ اور نیک اور عبادت گزار بندی تھیں۔ آپ اپنے ہجرہ میں مصروفِ عبادت رہا کرتیں۔ ایک دن آپ نے دیکھا کہ ایک تندرست وتوانا نوجوان آکر قریب کھڑا ہوگیا۔ آپ ایک اجنبی کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔ آنے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو شکل انسانی میں ان کی خلوت گاہ میں آئے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بولے گھبراؤ نہیں میں انسان نہیں بلکہ اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا دوں۔ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں میں کنواری لڑکی ہوں، نہ میری شادی ہوئی ہے اور نہ ہی میں بدچلن ہوں میرے بچے کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا اے مریم تیرے ربّ کا یہ فرمان ہے کہ تجھے اسی طرح بچہ دے۔ اللہ کیلئے ایسا کرنا بالکل آسان ہے۔ بن باپ کے بچہ ہونا یہ فطرت کیخلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس قانون کے سامنے مجبور نہیں۔ یہ بچہ عام بچوں کی طرح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوید رحمت ہوگا۔ جو اللہ کا نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے جانا اور پہچانا جائے گا۔ چنانچہ حضرت جبرائیل امین نے پھونک ماری اور حضرت مریم حاملہ ہوگئیں اور منشائے الٰہی پر راضی برضا ہوکر مطمئن ہوگئیں مگر آپ کو یہ پریشانی ہونے لگی کہ جب بچہ پیدا ہوگا تو اسے کہاں چھپاؤنگی، لوگوں کو کس طرح مطمئن کرونگی اور ان کو کیا منہ دکھاؤنگی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اگر کوئی شخص تیرے بچے کو دیکھ کر زبان درازی کرے تو تمہیں جواب دینے کی ضرورت نہیں تم خاموش رہنا اور لوگوں کو بتا دینا کہ میں روزہ دار ہوں اور بچے سے پوچھ لو۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ کنواری مریم بچہ اُٹھائے ہوئے ہے تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہوگیا اور ملامت کرنے کیلئے لوگ دوڑے چلے آئے۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش رہیں اور پیدا ہونے والے بچے کی طرف اشارہ کردیا کہ بچے سے بات کرو۔ انہوں نے کہا اے مریم تم ہم سے مذاق کرتی ہو خود خاموش بیٹھی ہو اور ہمیں بچے سے بات کرنے کا کہتی ہو۔ ہم اس بچے سے کیسے بات کرسکتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ابھی چند گھنٹے ہی کے تھے جو ماں کی گود میں دودھ پی رہے تھے آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور لوگوں کی طرف اشارہ کرکے ارشاد فرمایا، جسے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

قال انی عبد اللہ اٰتنی الکتٰب وجعلنی نبیا وجعلنی مبٰرکا (سورۂ مریم:۳۰)

فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی کیا اس نے مجھے مبارک کیا۔

قرآن مجید کے اس سچے واقعے پر غور فرمایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی ایک یا دو گھنٹے کی عمر کے ہیں مگر آپ یہ نہیں فرما رہے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ مجھے کتاب (انجیل) دے گا اور مجھے نبی بنائے گا اور مجھے برکت والا بنائے گا بلکہ ارشاد فرمایا میں اپنے ربّ کا بندہ ہوں۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کو اس حقیقت کا علم تھا کہ میری قوم آگے چل کر مجھے اللہ کا بندہ نہیں بلکہ اللہ کا بیٹا کہے گی لہٰذا سب سے پہلے آپ نے اسی پر کلام کیا اور لوگوں کے غلط عقیدے کا روزِ اوّل ہی کو رڈ بلیغ کر کے رکھ دیا اور لوگوں کو بتا دیا کہ تم میرے بڑے ہونے کے بعد مجھے خدا کا بیٹا ہرگز نہ کہنا۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء پیدائشی نبی ہوتے ہیں اور آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ مجھے اللہ نے متقی اور پرہیزگار بنایا ہے۔

غور فرمایئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے روزِ اوّل ہی سے اتنا وسیع علم عطا فرما دیا کہ آپ نے اپنے مستقبل کی مکمل خبر دے دی۔ کیا دنیا کے کسی اور بچے کو یہ کمال اور خوبی حاصل ہے؟ ہرگز نہیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اُمتیوں سے فرمایا:

وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم (سورۃ آل عمران:۴۹)

اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کمال حاصل تھا کہ آپ لوگوں کو یہ بتا دیتے تھے کہ تم نے کل کیا کھایا ہے اور آج کیا کھاؤ گے اور اگلے وقت کیلئے تم نے کون سا کھانا تیار کر کے رکھا ہوا ہے۔ آپ کی نگاہ دور و نزدیک کھلی چھپی اندھیرے اُجالے تمام کو دیکھتی تھی۔ کوئی شے آپ کیلئے پردہ نہ تھی۔ آپ کی اس خوبی کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ کے پاس اکثر بچے جمع ہو جاتے اور آپ انہیں بتا دیتے کہ تمہارے گھر فلاں فلاں چیز تیار ہوئی ہے اور فلاں چیز تمہارے لئے چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔

جب بچے گھر جاتے تو رو رو کر گھر والوں سے وہ چیز طلب کرتے۔ وہ کہتے کہ تمہیں کس نے بتایا؟ بچے کہتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔ آخر ان لوگوں نے مشترکہ طور پر فیصلہ کیا کہ اگر بچوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے سے نہ روکا گیا تو وہ ان پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ ان سب نے ان بچوں کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان بچوں کی تلاش میں ایک دن اس گھر کے پاس پہنچے اور لوگوں سے کہا کہ بچے کہاں ہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر اس گھر میں کون ہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ گھر میں ہمارے خنزیر ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ خنزیر ہو گئے؟ چنانچہ یہی ہوا وہ سب کے سب خنزیر بن گئے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب پر نظر رکھتے تھے کہ کون کیا کھا کر آیا ہے اور کیا چھپا کر آیا ہے۔ آپ کی نگاہ میں دور و نزدیک کھلی چھپی سب چیزیں یکساں تھیں۔ کسی نے دور دراز مقام پر رہ کر رات کے اندھیرے میں بھی کچھ کھایا ہو یا کسی نے سات تالے

میں کچھ چھپا کر رکھا ہو آپ کو سب کی خبر تھی۔ از روئے ایمان بتائیے کیا دنیا میں کوئی ایسا انسان ہے جو یہ کمال رکھتا ہو کہ کسی نے کیا کھایا اور کیا چھپایا؟ ہم انسانوں کی تو یہ حالت ہے کہ ہم اپنے پڑوسی کے گھر میں پکنے والی اشیاء کو نہیں بتا سکتے اور نہ ہی یہ بتا سکتے کہ کسی کا کتنا مال کہاں اور کس جگہ پڑا ہوا ہے۔ یہ فضیلت صرف انبیائے کرام ہی کو حاصل ہے۔

بے شک یہ اللہ کا اپنے محبوب نبیوں پر فضل وکرم ہے کہ انہیں غیب کا علم عطا کرتا ہے۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے جس کی مختصراً وضاحت آپ کے سامنے پیش کی گئیں۔ اس کے علاوہ بھی دیگر انبیاء کے علمِ غیب کے بارے میں قرآن وحدیث میں دلائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے علم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وعلمنٰه من لدنا علما (سورۂ کہف:۶۵)

اور اسے اپنا علمِ لدنی عطا کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اٰتینٰه حکما وعلما (سورۂ قصص:۱۴)

ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔

حضرت لوط علیہ السلام کے علم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ولوطا اٰتینٰه حکما وعلما (سورۂ انبیاء:۷۴)

اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم دیا۔

مسلمانو! یہ علمِ غیب کوئی معمولی علم نہیں۔ یہ وہ علم ہے کہ جس نبی کو بھی عطا کردیا گیا اس کے آگے پیچھے فرشتوں کے پہرے لگا دیئے جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ انبیاء میں سے کسی کو زیادہ علم عطا کیا گیا ہے تو کسی کو کم۔

جہاں تک پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا معاملہ ہے تو علمِ غیب ہمارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی عطا کیا گیا ہے۔ آپ کی شان کیونکہ تمام انبیاء ورسل میں افضل واکمل ہے لہٰذا آپ کو علمِ غیب بھی آپ کی شان کے مطابق دیا گیا ہے۔ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل کو جو علمِ غیب عطا کیا گیا وہ سب کا سب اللہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کر دیا اور اس کے علاوہ اور جو کچھ عطا کیا گیا وہ اس کے سوا ہے جسے اللہ کے علاوہ اور کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ نے مجھے اوّلین و آخرین کے علوم کا وارث بنایا اور مجھے چند قسم کے علوم عطا فرمائے ایک وہ کہ اللہ نے ان کے چھپانے کا مجھ سے عہد لیا اور یہ وہ علوم تھے جن کے اُٹھانے کی طاقت میرے سوا کسی میں نہیں اور ایک وہ علوم جن کے بتانے اور چھپانے کے بارے میں خدا نے مجھے اختیار دیا اور ایک وہ علوم جن کے بارے میں خدا نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں ان علوم کو اپنی اُمت کے ہر خاص و عام کو پہنچا دوں۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر روح البیان، جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

مذکورہ بالا حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ اللہ نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین قسم کے علوم عطا فرمائے۔ ایک علم تو وہ جسے اُمت کو بتانا ضروری یعنی فرض ہے۔ دوسرا علم وہ جس پر آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ جسے چاہیں بتائیں جس سے چاہیں چھپائیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض موقعوں پر حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت سے اسرار و رموز اور پوشیدہ باتوں پر خاموشی اختیار فرمائی اور اُمت سے پوشیدہ رکھا اور بعض غیب کی خبریں آپ نے بعض صحابہ پر ظاہر فرمائیں۔ یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ جہاں کہیں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی علم کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی اس کے معنی یہ نہیں کہ آپ کو اس کا علم نہیں تھا بلکہ اس کے بارے میں آپ کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں بتائیں یا چاہیں تو نہ بتائیں۔ آپ کی اس خاموشی میں کیا راز و نیاز اور اسرار و رموز پوشیدہ ہیں ہم نہیں جانتے اس کی حقیقت کو اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ آپ کی اس خاموشی پر لب کشائی کریں۔

کسی مقام پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی کہیں چلی گئی اور لوگ اُس کی تلاش میں پھرنے لگے تو ایک منافق نے کہا جس کا نام زید بن لصیت تھا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہتے ہیں میں اللہ نبی ہوں میرے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں مگر ان کو یہ پتا ہی نہیں ہے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے حالانکہ خدا کی قسم اللہ کی عطا سے میں خوب جانتا ہوں کہ میری اونٹنی کہاں ہے۔ وہ فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت میں اُسکی مہار کی رسی اُلجھ گئی ہے تم لوگ جاؤ اور اس اونٹنی کو میرے پاس لے آؤ۔ جب لوگ اُس جگہ گئے تو ٹھیک ایسا ہی دیکھا کہ اُسی گھاٹی میں وہ اونٹنی کھڑی ہے اور اُس کی مہار یعنی رسی ایک درخت کی شاخ میں اُلجھی ہوئی ہے۔ (زرقانی، جلد ۳ صفحہ ۷۵)

معلوم ہوا کہ جب تک حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاہا اونٹنی کی تلاش جاری رہی اور جب چاہا تو یہ واضح کر دیا کہ اونٹنی فلاں وادی میں فلاں درخت کے پاس ہے۔ آپ کا کسی چیز کو نہ بتانا حکمت کے تحت ہوتا ہے جو علمِ غیب کی نفی نہیں۔ جاہل اور گمراہ لوگ ایسے واقعات کو دلیل بنا کر سیدھے سادھے مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں اس طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت اور کمال کا انکار کر کے اپنی آخرت برباد کرتے ہیں۔

تیسرا علم وہ جسے اُمت سے چھپانا آپ پر لازمی یعنی فرض تھا یہی وہ تیسرا علم ہے جسے سوائے اللہ اور رسول کے کوئی نہیں جانتا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم و معارف کا کیا کہنا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقت میں اللہ کے علم بے بہا کے مظہر اور آئینہ دار ہیں۔ آپ اسرارِ الٰہی کے واقف اور رازِ خداوندی کے عالم ہیں۔ مفسرین کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآنی سورتوں کی ابتداء میں جو حروف آئے ہیں جیسے الم، حم، کھیعص وغیرہ یہ وہ راز ہیں جو اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہیں۔ ان اسرارِ الٰہیہ کی جلوہ گاہ تو صرف محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ اقدس ہے۔ یہ وہ راز و نیاز ہیں جو کسی غیر پر منکشف نہیں ہوئے یہی وہ قول ہے جسے ہر دور کے علماء و صوفیا نے اپنا مسلک بتایا۔ صاحب روح البیان حضرت علامہ محمد اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک حدیثِ مبارکہ نقل فرماتے ہیں:۔

حضرت جبرائیل امین سورہ مریم کی ابتدائی آیات لے کر نازل ہوئے وحی کا پہلا لفظ کھیعص تھا۔ حضرت جبرائیل امین نے ابھی پہلا حرف 'کاف' ہی کہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا 'علمت' جبرئیل امین نے 'ھا' پڑھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا 'علمت' حضرت جبرائیل نے اسی طرح تیسرا چوتھا اور پانچواں حرف پڑھا اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حرف پر فرماتے رہے 'علمت' حتیٰ کہ جب پوری وحی منتقل ہوگئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ سمجھ گئے میں نہیں سمجھ سکا۔ جبکہ وحی لے کر میں آیا ہوں۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر روح البیان از حضرت محمد اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ یہ اللہ اور حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین کوئی راز و نیاز تھا کہ جس سے ملائکہ کے سردار حضرت جبرائیل امین بھی بے خبر تھے اور ان لفظوں کے اسرار و رموز تک ان کی بھی رسائی نہ تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ قرآن مجید کے یہ تمام ابتدائی حروف اللہ تعالیٰ کے علوم و معارف اور راز و نیاز کے وہ حروف ہیں جو اس کائنات کی صرف ایک ذات پر منکشف ہوئے اور وہ ذاتِ گرامی حضور سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ اس کے علاوہ کسی غیر کو یہ علم حاصل نہیں۔ یہی وہ تیسرا علم ہے جسے تمام ملائکہ، جن و انسان اور دیگر مخلوقات سے پوشیدہ رکھا۔ اللہ نے اپنے محبوب پیغمبر کو تمام انبیائے کرام کی صفاتِ حسنہ کا جامع پیدا فرمایا اور ان کے تمام علوم آپ کی ذاتِ قدسی میں جمع کر دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا سکھایا؟ کیا پڑھایا؟ کتنا پڑھایا؟ کتنا علم عطا کیا؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما (سورۂ نساء:۱۱۳)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں 'تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے' قابلِ غور جملہ ہے۔ بغض وعناد کی عینک اُتار کر اس آیتِ مبارکہ کو بار بار پڑھیں تو ہر انصاف پسند مسلمان اس حقیقت کو تسلیم کریگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام ظاہری اور پوشیدہ علوم کے خزانے عطا کر دیئے اور اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں پھر وہ کون سا علم باقی رہ گیا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ سکھایا گیا ہو۔

جب اللہ نے علمِ غیب کی دولت سے نواز دیا تو پھر ارشاد فرمایا:

وما هو على الغيب بضنين (سورۂ تکویر:۲۴)

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیتِ مبارکہ بھی اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہے کہ علمِ غیب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے جب ہی تو لوگوں کو غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ اگر غیب کا علم نہ ہوتا تو دوسروں کو غیب کیسے بتاتے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو 'یا ایھا النبی' کہہ کر مخاطب فرمایا جس کے معنی ہیں 'اے خبر دینے والے'۔ اگر اس خبر سے مراد صرف دین کی اطلاع فراہم کرنا ہی لیا جائے تو ایسی خبر تو ہمیں ہر مسجد کا مولوی بھی دیتا ہے اس طرح ہر مولوی معاذ اللہ نبی ہوا اور اگر خبر دینے والے سے مراد دُنیا بھر کی خبریں دینا لیا جائے تو پھر ہر اخبار، ریڈیو اور ٹیلی ویژن خبر دینے والا آلہ معاذ اللہ نبی بن جائے گا۔

لہٰذا یہ ماننا ہوگا کہ خبر دینے والے سے مراد غیب کی خبریں دینے والے کے ہیں۔ جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین و دنیا کے علوم بتانے والے ہیں تو غیب کی خبریں دینے والے بھی ہیں۔

صاحبِ لولاک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وعلمت ما فی السموٰت والارض (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۷۰۔ ترمذی شریف، جلد۲ صفحہ ۱۵۵)

اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے میں اس کو جان گیا۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بے شک اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹا.....

حتی رایت مشارقھا و مغاربھا حتیٰ کہ میں نے ساری زمین اور اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔ (مسلم، صفحہ ۳۹۰)

ایک اور روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میرے لئے دنیا کے حجابات اُٹھا دیئے ہیں پس میں نے دنیا اور جو کچھ بھی اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

(زرقانی شریف، جلد ۷ صفحہ ۲۰۴ ۔ مواہب، جلد ۲ صفحہ ۱۹۲)

فخرِ موجودات باعثِ تخلیق کائنات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد اور سن لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے، کیا حال ہے ان قوموں کا جنہوں نے میرے علم میں طعن کیا ہے جو تمہارا دل چاہے میرے اور قیامت کے درمیان سوال کرلو تو میں تمہیں خبر دوں گا۔

(ملاحظہ کیجئے تفسیر خازن، جلد ۱ صفحہ ۳۸۲، مطبوعہ مصر)

اس حدیثِ پاک میں ان لوگوں کیلئے تنبیہ ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب پر طعن کرتے ہیں اور آپ کے غیبی علوم کا انکار کرتے ہیں۔ بارگاہِ رسالت میں طعنہ زنی کا تصور سوائے ایمان برباد کے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بھی کسی نے علمِ غیب پر طعنہ دیا تھا تو اللہ نے اس کا ایمان تلف کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کسی شخص کی اونٹنی گم ہوگئی۔ اس کی تلاش جاری تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اونٹنی فلاں جنگل میں فلاں جگہ موجود ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ایک شخص بولا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بتاتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غیب کیا جانیں۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس شخص کا تذکرہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلوایا اور وہ حاضر ہوگیا۔ دریافت کرنے پر کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہ ایسے ہی ازراہِ مذاق کہہ دیا تھا۔ یہ کہہ کر وہ شخص ابھی خاموش ہی ہوا تھا کہ حضرت جبرائیل امین قہر وجلال میں ڈوبی ہوئی آیتِ مبارکہ بجلی کی سی مانند عرشِ بریں سے فرشِ زمیں پر لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قل اباللّٰہ و اٰیتہٖ و رسولہٖ کنتم تستھزءون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم (سورۃ توبہ:۶۵،۶۶)

تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

مسلمانو! ذرا سر کی آنکھوں سے اس عبرت ناک منظر کو دیکھئے صرف اتنا کہنے پر کہ ’حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب کیا جانیں‘ کہنے والے کی ایسی گرفت ہوئی کہ اللہ نے اس کے ایمان کو تلف کر کے رکھ دیا اور کفر کا لعنتی طوق گردن میں ڈال دیا۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کسی قسم کا بے ادبانہ جملہ کہنا، اس کا مذاق اُڑانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا انکار اور مذاق نہیں بلکہ اللہ کا بھی انکار اور مذاق ہے۔ جو لوگ توحیدِ خداوندی کی آڑ لے کر بارگاہِ رسالت میں توہین واہانت کرتے ہیں وہ اس گمان میں ہرگز نہ رہیں کہ یہ توہین صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ہے بلاشبہ یہ توہین شانِ خداوندی کی بھی ہے۔

واقعہ معراج حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا معجزہ ہے جو اس سے پہلے کسی نبی یا رسول کو حاصل نہ ہوسکا۔ شبِ معراج کے اسرار ورموز کو سمجھنا ہم ناقص العقل کیلئے کسی طرح ممکن نہیں ہوسکتا۔ اس کے حقائق کا اصل علم تو اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو ہے۔ معراج شریف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ معجزہ ہے جس میں آپ پر تمام عالمین کے اسرار ورموز اور حقائق کو منکشف کیا گیا ہے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش کے قریب پہنچے تو آگے حجابات ہی حجابات تھے پھر تمام پردے اٹھا دیئے گئے اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا:

فاستوٰی وھو بالافق الاعلیٰ (سورۂ نجم: ۷)

پھر اس جلوے نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا۔

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شبِ معراج آسمان بریں کے بلند کناروں پر پہنچے تو تجلی الٰہی متوجہ نمائش ہوئی پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حریم الٰہی میں پہنچے اور اپنی آنکھوں سے عین عالم بیداری میں اللہ کی زیارت کی۔ جسے قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا:

ثم دنا فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ (سورۂ نجم: ۸،۹)

پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

صاحب روح البیان اس موقع پر فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے قرب سے مشرف ہوئے یا یہ کہ اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے قرب سے نوازا۔ (ملاحظہ ہو روح البیان)

حدیثِ مبارک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رایت ربی عزوجل فی احسن صورۃ (مشکوٰۃ، صفحہ ۶۹)

میں نے اپنے ربّ کو حسین صورت میں دیکھا۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ سب سے بڑھ غیب ہے اس سے بڑھ کر غیب اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ غور فرمایئے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی وسعت پر کہ آپ نے سب سے زیادہ پوشیدہ اور غیب ذات کا مشاہدہ اپنی حقیقی آنکھوں سے کیا۔ ذرا بتایئے کائنات کا اب کون سا ایسا غیب یا اسرار و رموز ہے جو باقی رہ گیا ہو اور جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں نہ ہو۔ اللہ کی ذات و صفات کو جاننے کا علم جتنا حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے کسی اور کو نہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ اوّلین و آخرین کے تمام علوم کو جاننے والے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کی:

رب ارني انظر اليك

اے میرے ربّ تو مجھے اپنا جلوہ دکھا دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

لن ترانی

اے موسیٰ تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر اصرار کیا اور دیدارِ الٰہی کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش پر اپنی صفات کی صرف ایک تجلّی کا جلوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر فرمایا جسے دیکھنے کی تاب حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ لا سکے اور بے ہوش ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی ذات کا مشاہدہ نہیں کیا صرف ایک تجلّی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی جسے دیکھ کر آپ کو یہ کمال حاصل ہوا کہ آپ کی بینائی بہت روشن ہو گئی۔ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حدیثِ پاک میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بینائی کا یہ عالم ہو گیا کہ وہ کالی چیونٹی کو اندھیری رات میں تیس میل کی دُوری سے دیکھ لیا کرتے تھے۔

(ملاحظہ ہو شفا شریف)

مسلمانو! غور فرمایئے جس کی آنکھ نے صرف نورِ الٰہی کی ایک تجلّی دیکھی ہو پھر اس آنکھ کی بصارت کا یہ عالم ہو جائے کہ ایک کالی چیونٹی گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں ہزارہا نشیب و فراز کے باوجود تیس میل کی دوری سے نظر آ جائے تو ذرا سوچئے اس آنکھ کی نورانیت و بصارت کا کیا عالم ہو گا جس آنکھ نے عین ظاہری حالت میں اپنی آنکھ سے ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کا دیدار اس شان سے کیا ہو کہ قرآن مجید جس کی گواہی اس طرح دے:

ما زاغ البصر وما طغٰى (سورۂ نجم:۱۷)

آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ہے کہ شبِ معراج کے موقع پر دیدارِ الٰہی کا جلوہ دیکھتے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہیں اپنے مقصود کی دید میں محور ہیں۔ ادھر ادھر، دائیں بائیں، کسی اور جانب مائل نہیں ہوئیں، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بے ہوش ہوئے۔

ایمان و ضمیر سے فیصلہ کیجئے کہ جس آنکھ نے خداوندِ قدوس کو دیکھا اس آنکھ سے کیا خدا کی خدائی چھپ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ چاندنی رات تھی میں نے بارگاہِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کی، کیا آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر بھی کسی کی نیکیاں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، **نعم عمر عائشه** ہاں عائشہ! وہ عمر فاروق ہیں۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، اشعۃ اللمعات، جلد ۴ صفحہ ۶۶۶)

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوگیا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آسمان کے ستاروں کی تعداد کا بھی علم ہے اور اپنے اُمتیوں کی نیکیوں اور اعمال و افعال کا بھی علم ہے۔ یہ حدیث علم غیب کے جواز پر بہترین دلیل ہے۔

جنگِ موتہ جو مدینہ منورہ سے ایک مہینے سے زیادہ سفر کے فاصلے پر لڑی گئی۔ اس جنگ کی کیفیات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس طرح بیان فرمائی۔ اب فوج کا نشان (جھنڈا) زید نے اُٹھایا اور وہ شہید ہوگئے اور اب جعفر نے علم اُٹھایا اور وہ بھی شہید ہوگئے۔ اب رواحہ نے پرچمِ اسلام اپنے ہاتھوں میں لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے۔ آخر میں فرمایا اب فوج کا جھنڈا خالد بن ولید نے اُٹھایا اور مسلمانوں کو فتح ہوگئی۔ (ملاحظہ کیجئے بخاری شریف، جلد ۲ صفحہ ۶۱۱)

جب مدینہ منورہ میں حضرت جعفر کی شہادت کی اطلاع پہنچی تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑی دیر غمگین رہے پھر مسکرانے لگے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے مسکراہٹ کا سبب پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا، مجھے میرے اصحاب کی شہادت کا رنج ہوا لیکن ابھی میں نے دیکھا کہ حضرت جعفر اپنے بھائیوں کے ساتھ جنت میں ایک دوسرے کے مقابل تخت پر بیٹھے ہیں یہ دیکھ کر میں مسکرا دیا۔ (ملاحظہ کیجئے خصائص الکبریٰ، جلد ۲ صفحہ ۲۶۰)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، کوئی چیز ایسی نہیں جو ہونے والی ہو مگر میں نے اس کو اس مقام پر دیکھ لیا ہے یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف، صفحہ ۱۸، فضائل الکبریٰ، جلد ۲ صفحہ ۸۹)

حضرت امام ترمذی حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بے شک میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچراتا ہے اور اس کو لائق ہے کہ وہ چرچرائے کیونکہ آسمان پر چار اُنگل جگہ بھی ایسی نہیں جہاں فرشتے سجدے میں نہ پڑے ہوں۔ (ملاحظہ کیجئے خصائص الکبریٰ، جلد ۲ صفحہ ۶۵، ۶۶)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشادات پر غور فرمایئے اور نگاہِ نبوت کی بصارت کا اندازہ لگایئے جو جنگِ موتہ کے موقع پر مدینہ منورہ سے ملک شام تک پہنچ رہی ہے اور مدینہ میں جنگ کے حالات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کو سنا رہے ہیں۔ یہ نگاہیں آن واحد میں جنت و دوزخ کا مشاہدہ بھی کر لیتی ہیں وہاں کے حالات دیکھ لیتی ہیں۔ جب ہی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جعفر اپنے بھائیوں کے ساتھ جنت میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہیں اور آسمان پر چار انگل ایسی جگہ نہیں جہاں ملائکہ سجدے میں نہ پڑے ہوں۔

مسلمانو! اب حضرت علامہ سیّد عبدالعزیز دباغ مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول آپ کی علم و معرفت کی لاجواب کتاب خزینہ معارف سے پیش کرتا ہوں جس کا اُردو ترجمہ دیوبند مکتبہ فکر کے مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے 'ابریز' کے نام سے کیا۔

تمام ارواح سے بڑی قدر روالی اور حجم کے لحاظ سے عظیم ترین روح حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح ہے۔ کیونکہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں کو پر کئے ہوئے ہے۔ مگر آپ کی ذاتِ مقدسہ نے اسے اپنے اندر لے لیا۔

آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں، سب سے قوی وہ روح ہے جس کا ذوق عرش و فرش اور دیگر عوالم (یعنی جہانوں) کو چیر کر نکل جائے اور یہ طاقت حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کو ہی حاصل ہے۔ آپ کی روح سلطان الارواح ہے اور یہ روح آپ کے جسم مبارک میں رضا محبت اور قبول کی طرح ساکن ہو چکی ہے اور دونوں (یعنی روح اور جسم) کے درمیان حجابات بھی اُٹھ چکے ہیں۔ چنانچہ آپ کی روح مقدس کا ذوق آپ کے کمال کے مطابق ہے اور آپ کے طاہر ترابی جسم کا عوالم کو چیر کر نکل جانا ثابت ہے اور یہی وہ کمال ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہو سکتا۔ آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ روح کا ایک جز تمیز (یعنی شعور) ہے اور یہ روح میں ایک قسم کا نور ہے جس کی مدد سے روح اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پر پہچان لیتی ہے کہ یہ کیا ہے اس کے حالات کیا ہیں۔ اس کا مقصد اور منتہیٰ کیا ہے اس کا انجام کیا ہوگا اور اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ پھر اپنی اطلاع کے مطابق بعض روحیں پر کھنے میں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض ارواح کی اطلاع قوی ہوتی ہیں اور بعض کی ضعیف۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کی اطلاع قوی ترین ہے۔ کیونکہ دنیا کی کوئی شے آپ سے پوشیدہ نہیں اسلئے آپ کو عرش و فرش علو و سفل دنیا و آخرت اور دوزخ و جنت سب کی خبر ہے اس لئے کہ یہ سب کچھ آپ کی بدولت پیدا ہوئے۔ لہٰذا آپ کی تمیز ان تمام جہانوں کو چیر کر نکل جانے والی ہے۔ چنانچہ آپ کو اجرام سماویہ میں سے ہر جرم کا علم ہے کہ یہ کہاں سے پیدا کیا گیا ہے۔ کب اور کیوں پیدا کیا گیا ہے اور اس کا منتہیٰ کیا ہوگا۔ آپ کو ہر آسمان کے فرشتوں کا پتا ہے کہ کون سا فرشتے کس فلک پر پیدا کیا گیا۔ کیوں پیدا کیا گیا اور ان کا انجام کیا ہوگا اور آپ کو ان کے مراتب اور منتہیٰ درجات کا بھی علم ہے اور اسی طرح آپ کو ستر حجابوں اور ہر حجاب کے فرشتوں کا بھی علم ہے اسی طرح آپ کو عالم علوی کے اجرام نیرہ کا بھی علم ہے مثلاً ستارے، سورج، چاند، لوح، قلم، برزخ اور وہ روحیں جو برزخ میں ہیں اسی طرح آپ کو ساتوں زمینوں اور زمین کی ہر مخلوق اور بحر و بر کی تمام اشیاء کا علم ہے۔ اسی طرح آپ کو جنت، اس کے درجات، اس کے رہنے والوں کی تعداد اور ان کے مقامات کی پوری واقفیت ہے اس کے علاوہ دیگر عوالم کے متعلق بھی آپ کے علم کی یہی حالت ہے۔ (ملاحظہ کیجئے خزینہ معارف، صفحہ ۱۶۴،۱۶۵،۱۶۶)

حضرت علامہ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات سے بھی یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ علم وشعور فہم فراست اور معارف غیبیہ عطا کردیا کہ کائنات کی کوئی شے آپ سے پوشیدہ نہیں آپ کو اوّل و آخر ہر بات کا علم عطا کردیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ (سورۂ بقرہ:۳۴)

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ منکر ہوا اور غرور کیا۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخاطب ہے اس آیت میں 'اور یاد کرو' قابل غور جملہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ یاد دِلا رہا ہے اور یاد اُسی کو دلایا جاتا ہے جسے پہلے سے اس بات کا علم ہو اور وہ واقعہ اس کا دیکھا بھالا ہو۔ یہ ابتدائے آفرینش کا واقعہ ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ اس واقعہ کو مشاہدہ فرمارہے تھے اسکے علاوہ جو کچھ موجودہ وقت میں ہو رہا ہے اور قیامت تک جو کچھ ہوگا اُسے بھی آپ جاننے والے اور مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ہر چیز اللہ کی عطا سے آپ کے پیش نظر ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ غیبی علم اللہ تعالیٰ کے غیب کا بعض ہے کل نہیں۔ قرآن مجید جوں جوں نازل ہوتا گیا آپ کے علمِ غیب میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا جب قرآن کریم مکمل ہوا تو آپ کا غیبی علم مخلوق کے اعتبار سے کامل اور اکمل ہوگیا۔

حضرت اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح البیان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی مخلوق ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا ان سب کا مشاہدہ فرمارہے تھے۔ آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں الغرض ہر چیز کو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ نور جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا وہ ہر شے کو اور ہر واقعہ کو دیکھ رہا تھا اسی لئے قرآن میں جابجا حضور سے کہیں حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کیلئے فرمایا کہ اُس کو یاد کیجئے تو کہیں وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فرما کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو یاد دلایا۔ معلوم ہوا کہ تمام واقعات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہورہے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سب کا علم تھا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک مقام پر اپنے محبوب نبی کے علم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

الرحمٰن علم القراٰن خلق الانسان علمه البیان (سورۂ رحمٰن)

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، ما کان و ما یکون کا بیان اُنہیں سکھایا۔

تفسیر کی معتبر کتاب تفسیر خازن میں اس آیتِ مقدسہ کی تفسیر میں ہے کہ انسان سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رحمٰن نے انسانِ کامل یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ما کان و ما یکون یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے تمام اگلے اور پچھلے اُمور کا بیان سکھا دیا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر خازن سورۂ رحمٰن)

ان درخشاں دلائل سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبیوں کو علمِ غیب کی دولت عطا کی ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیاء و رسل کے علوم کو جامع بنایا۔ آپ کے علومِ غیبیہ کا مطلقاً انکار قرآن کی بہت سی آیتوں کا انکار ہے جو سراسر کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو غیب کا علم دیا ہے اور غیب کا علم اللہ کے مقابلے میں محدود، متناہی اور عطائی ہے جسے شرک ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

مسلمانو! آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ آج اس سرزمین پر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان حقائق کے باوجود حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علومِ غیبیہ کا کھلا انکار کرتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ علمِ غیب صرف اللہ کو ہے اس کے سوا دوسرا کوئی غیب نہیں جانتا۔ جو لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب پر اعتراضات کرتے ہیں وہ اعتراضات کیا ہے؟ آیئے وہ بھی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں تا کہ اُمتِ مسلمہ کے سامنے صحیح صورتِ حال آ سکے اور مسلمانوں کو فرقہ واریت سے بچایا جا سکے۔

﴿ پہلا اعتراض ﴾

اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

قل لا اقول لکم عندی خزآئن اللہ ولا اعلم الغیب (سورۃ انعام:۵۰)

تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس نہ تو اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی علم غیب ہے۔ یہی وہ آیتِ کریمہ ہے جس کے بارے میں کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے اور اسی آیتِ مبارکہ کو بڑی شد و مد کے ساتھ پڑھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی نفی کرتے ہیں۔

محترم مسلمانو! جہاں تک مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کا تعلق ہے۔ اس آیت میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے ارشاد فرماتا ہے، 'اے محبوب آپ اپنی زبان سے کہہ دیں کہ نہ تو میں یہ کہوں گا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں خود بخود غیب جان لیتا ہوں' یہ کلام کن سے فرمایا گیا؟ مسلمانوں سے یا کفارِ مکہ سے۔ آیئے اس حقیقت کو جانئے۔ علماء اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، یہ آیتِ مبارکہ کفار و مشرکین کی دُنیوی زندگی کی مذمت میں نازل ہوئی۔ وہ کفار و مشرکین کہ جن کی تمام تر کاوشیں اور دوڑ دھوپ کا مدعا دولت اور عزت کا حصول تھا۔ جن کے دن اس جستجو میں گزرتے کہ کسی طرح وہ دولت مند ہو جائیں اور راتیں اس فکر میں بسر ہوتیں کہ کسی طرح ان کے جاہ و جلال کا پرچم لہرانے لگے۔ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا آغاز فرمایا تو کفار و مشرکین ناسمجھ بچوں کی طرح مسلمان ہونے کیلئے ایسی شرطیں لگاتے کہ جس سے وہ دولت مند ہو جائیں۔ وہ کہتے اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہمیں ڈھیروں دولت عطا کر دیجئے تا کہ ہم کبھی محتاج نہ ہوں۔ کوئی کہتا یہ تپتے ہوئے ریگستانوں کو گلشن و گلزار بنا دیجئے۔ کوئی کہتا پہاڑوں کو سونا کر دیجئے۔ کوئی کہتا ہمیں ہمارے مستقبل کی خبریں دیجئے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ کوئی کہتا اگر آپ اور کچھ نہیں کر سکتے تو اتنا ہی بتا دیجئے کہ اس سال کس جنس کا بھاؤ چڑھ جائے گا تا کہ ہم جنس کا ذخیرہ کر لیں اور جب بھاؤ تیز ہو جائے تو اس کو فروخت کر کے خوب نفع کمائیں۔ اگر آپ نے یہ ساری باتیں ثابت کر دیں تو ہم جانیں گے کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور آپ پر ایمان لانے سے ہمیں فائدہ ہوا۔ اگر آپ پر ایمان لانے کے باوجود ہماری معاشی بد حالی جوں کی توں رہی تو پھر آپ کو نبی ماننے سے ہمیں کیا فائدہ ہوا۔

مسلمانو! کفار و مشرکین کی اس بگڑی ہوئی ذہنیت کی اصلاح کیلئے اللہ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ اعلان کروادیا کہ اے میرے پیارے محبوب نبی آپ اپنی زبانِ حق ترجمان سے ان کفار و مشرکین سے یہ فرمادیں کہ اے مشرکو! میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ میں اس بات کا دعویٰ کرنے نہیں آیا کہ میں تمہارے ان ریتیلے ٹیلوں کو ہموار کرکے رشکِ ارم بنادوں گا۔ خشک زمینوں میں پانی کے چشمے بہادوں گا۔ نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں ذاتی علم غیب جانتا ہوں۔ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ میں اللہ کا آخری نبی بن کر آیا ہوں اور تمہیں اللہ سے ملانے کیلئے آیا ہوں۔ تمہارے اُجڑے ہوئے دلوں کو بسانے کیلئے آیا ہوں۔ میں تو تمہارے گلشن حیات میں نیکی، تقویٰ، پرہیزگاری اور خوش اخلاقی کے سدا بہار پھول کھلانے آیا ہوں۔ میں اس لئے اس عالم دنیا میں نہیں آیا کہ تمہیں دال، چینی، گھی، آٹا، جَو، کھجور اور پھلوں کے بھاؤ بتاؤں میں تو تمہیں اس جنس کا بھاؤ بتانے آیا ہوں کہ جس کی قدر و اہمیت بازارِ محشر میں اتنی زیادہ ہوگی کہ جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اسلام کی اشاعت و قبولیت کا انحصار لالچ، حرص اور طمع پر نہیں بلکہ معرفتِ الٰہی پر ہے۔ خبردار کوئی اس لالچ میں اسلام قبول ہرگز نہ کرے کہ اسے فلاں جاگیر مل جائے گی۔ زمین میں چھپا ہوا خزانہ اس کے ہاتھ آجائے گا۔ بلکہ اللہ کے ہاں تو وہی ایمان کامل ہوگا جو حق کو حق سمجھ کر قبول کرے اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے۔

مسلمانو! یہ تھا وہ مقدس اعلان جو اس مقدس ہستی سے کرایا گیا کہ جن کی اُنگلی کے ایک اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا اور ڈوبا ہوا سورج واپس لوٹ آیا۔ فرمایا کہ اے کفار! میں رب ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ کی قدرت کے سارے خزانے میرے قبضے میں ہیں یا مجھے خود بخود غیب کا علم ہے۔

مسلمانو! اپنے ایمان اور ضمیر کی روشنی میں بتایئے کہ مذکورہ بالا ارشادِ ربانی سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب عطا نہیں کیا گیا۔ مذکورہ بالا ارشاد میں کل علمِ غیب کا ذکر ہے، عطائی علم غیب کا نہیں۔ مذکورہ آیتِ کریمہ کو جو لوگ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کیلئے سند بناتے ہیں ان کیلئے عرض ہے کہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہ علم غیب ذاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب عطائی کی نفی ہرگز نہیں ہورہی۔

﴿ دوسرا اعتراض ﴾

پیارے مسلمانو! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

ان اللہ عندہ علم الساعۃ ج وینزل الغیث ج ویعلم ما فی الارحام ط
وما تدری نفس ماذا تکسب غدا ط وما تدری نفس م بای ارض تموت ط
ان اللہ علیم خبیر (سورۂ لقمان:۳۴)

بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے خوب بارش اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔ بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

اس آیتِ مقدسہ میں پانچ باتوں کا ذکر کیا گیا ہے:۔

۱......قیامت کب آئے گی؟

۲......بارش کب ہوگی؟

۳......بچہ دانی میں کیا ہے؟

٤......کون کل کیا کمائے گا؟

٥......کون کہاں مرے گا؟

مذکورہ آیتِ کریمہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ان پانچ باتوں کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔

مسلمانو! یہ دُرست ہے کہ مذکورہ آیتِ مقدسہ میں جن پانچ باتوں کا ذکر ہے اس کا حقیقی علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں مگر اللہ کے بتانے سے انبیاء کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو بھی ان پانچ باتوں کا علم نہیں ہو سکتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پانچ باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یا نہیں؟ آیئے اس حقیقت کو بھی جان لیتے ہیں۔

قیامت کا علم

اس سلسلے میں علامہ شیخ محمد صاوی مالکی کا قول سنئے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں فرمائی جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہ فرمایا۔ لیکن آپ کو ان علوم کو چھپانے کا حکم فرمادیا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر صاوی، جلد۳ صفحہ ۲۱۵)

حضرت علامہ سیّد محمود آلوسی روح المعانی میں ارشاد فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز کا علم نہ دے دیا۔ (ملاحظہ کیجئے روح المعانی، جلد ۱ صفحہ ۱۵۴)

شارح بخاری حضرت علامہ قسطلانی ارشاد فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا وقت وقوع کوئی نہیں جانتا سوائے ان کے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے جو اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر جس کو چاہتا ہے مطلع فرمادیتا ہے اور اولیاء اللہ جو رسول کے تابع ہوتے ہیں وہ ان سے غیب کا علم حاصل کرتے ہیں۔ علامہ امام قرطبی، علامہ آلوسی اور سیّد احمد بن مبارک تو یہاں تک ارشاد فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کو بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے علوم خمسہ (مذکورہ پانچ باتوں) کا علم حاصل ہوتا ہے۔

حضرت قطب الوقت سیّدی عبدالعزیز دباغ مغربی ارشاد فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہوسکتا ہے جبکہ آپ کی اُمت کے اولیاء سے بھی ان کا علم پوشیدہ نہیں ہے۔ (ملاحظہ کیجئے ابریز، صفحہ ۲۸۲)

مسلمانو! غور فرمایئے یہ ان مفسرین و محدثین کرام کے اقوال ہیں جن کو اگر ملتِ اسلامیہ کا ستون کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اور اگر ان مقدس ہستیوں کو آسمانِ اُمت کے درخشاں ستاروں سے تعبیر کیا جائے تو بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ ان مقدس مفسرین کرام نے اپنی تفاسیر میں یہ واضح کردیا کہ حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور آپ تمام کمالات اوّلین و آخرین کے جامع ہیں۔ آپ کی شان کا تو کہنا ہی کیا۔ آپ کے خدام اور غلاموں کو بھی ان پانچوں چیزوں کا علم ہے۔

مسلمانو! غور کرو! آج ہر مسلمان یہ جانتا ہے کہ قیامت جمعہ کے دن ہوگی۔ محرم کی دس تاریخ ہوگی۔ یاجوج ماجوج اور دجّال ظاہر ہوں گے۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظہور ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ صور پھونکی جائے گی۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑیں گے۔ قیامت کی یہ ساری خبریں ہمیں کس نے بتائیں؟ یہ تمام باتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو بتائیں۔ ذرا سوچئے جو ذات گرامی قیامت کے دن، قیامت کی تاریخ، قیامت کا مہینہ اور دیگر نشانیاں اپنی اُمت کو بتائے ایسی عظیم ہستی کے بارے میں اگر کوئی بے ادب یہ کہے کہ ان کو قیامت کا علم نہ تھا بتایئے یہ کہنا دانشمندی ہے یا جہالت؟ یقیناً جہالت جس طرح دن، تاریخ، مہینہ آپ کو معلوم ہے اسی طرح سن بھی آپ کو معلوم ہے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسے چھپانے کا حکم دیا۔

علامہ صاوی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام غیوب کے علوم پر آگاہ فرمایا اور انہی میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دے دیا تھا کہ 'قیامت کب آئے گی' اس علم کو آپ اُمت سے چھپائیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لا تاتیکم الا بغتۃ (سورۃ اعراف:۱۸۷)

قیامت تو بالکل اچانک ہی آئے گی۔

اب ذرا آپ ہی فیصلہ کریں اگر دن، تاریخ اور مہینہ کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن بھی اُمت کو بتا دیتے تو پھر قیامت کا آنا اچانک ہرگز نہ ہوتا۔ اگر قیامت کا سن بھی معلوم ہو جائے تو سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے اور قیامت برپا ہونے سے پہلے ہی قیامت برپا ہو جائے۔ اسی لئے سن سے آپ نے اُمت کو آگاہ نہ فرمایا۔

بخاری و مسلم کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وقتِ قیامت کے متعلق جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

(ملاحظہ کیجئے بخاری شریف، مسلم شریف، کتاب الایمان)

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں بھی یہ بات قابلِ غور ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوال پر قیامت کے علم کی نفی نہیں فرمائی یعنی یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ مجھے قیامت کے وقت کا علم نہیں بلکہ نہایت پیارے انداز میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اتنا ہی میں جانتا ہوں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قیامت کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھنا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جواب دینا حضور کے لاعلمی کی دلیل ہرگز نہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس طرح جواب دینے کا مقصد یہ ہے کہ ایک مومن کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وقتِ قیامت پر ایمان لائے اور قیامت برپا ہونے پر یقین کامل رکھے۔ قیامت کب ہوگی؟ اس کا وقت کیا ہوگا؟ ایسی باتوں کو معلوم کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرے کیونکہ قیامت کا علم اسرارِ الٰہی ہے جسے متعدد حکمتوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اس کے افشاء ہونے سے منع فرمایا ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تخلیق کائنات کی ابتداء سے قیامت تک کی خبر دی۔ حتیٰ کہ اہل جنت' جنت میں اور اہل دوزخ' دوزخ میں پہنچ گئے۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان تمام واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ باب المعجزات)

فرقہ واریت کے خول سے نکل کر اور تعصب کی عینک اپنی آنکھوں سے ہٹا کر اپنے نبی کی عظمت کا اندازہ لگایئے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک رونما ہونے والے جملہ واقعات بیان فرما دیئے حتیٰ کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے گئے تو اب یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہ ہو۔ کیونکہ جس دن دنیا کا خاتمہ ہوگا اسی دن قیامت کی ابتداء ہوگی۔ جنتی جنت میں، دوزخی دوزخ میں قیامت کے بعد ہی جائیں گے لہٰذا آپ کو یہ معلوم ہے کہ کون سا واقعہ کس واقعہ کے بعد ہوگا۔

بارش کا علم

اللہ تعالیٰ کی عطا سے جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم ہے بالکل اسی طرح آپ کو بعطائے الٰہی بارش ہونے کا بھی علم ہے۔ علامہ آلوسی، علامہ قسطلانی کا قول نقل فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ بارش کا ارادہ فرماتا ہے اور جہاں اسے بھیجنا ہوتا ہے تو بارش پر مقررہ فرشتوں کو اس کا علم ہو جاتا ہے اور انہیں بھی علم ہو جاتا ہے جسے اللہ چاہے اپنی مخلوق میں سے۔ (تفسیر روح المعانی، ص ۱۰۰)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول سے یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ بارش کا علم فرشتوں کے علاوہ دیگر مخلوق کو بھی عطا فرما دیتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اہل مصر کو یہ خبر دی کہ تم سات سال تک لگاتار کاشت کاری کرو گے پھر ارشاد فرمایا پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے پھر ارشاد فرمایا:

ثم یاتی من م بعد ذٰلك عام فیه یغاث الناس وفیه یعصرون (سورۂ یوسف: ۴۹)

پھر ان کے بعد ایک برس آئے گا جس میں لوگوں کو مینھ (بارش) دیا جائے گا اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

اس آیت پر ذرا غور فرمایئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قوم کو مشکل حالات کی خبر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ مشکل ترین حالات گزرنے کے بعد بارش آئے گی جو تمہیں خوشحال کر دے گی۔ آپ نے بارش کی یہ خبر اہل مصر کو چودہ سال پہلے دی جو سات سال کاشت کاری اور سات سال قحط سالی کے بعد آئی۔ آپ کا یہ علم جو عطائے الٰہی ہے ذرا سوچیے جب حضرت یوسف علیہ السلام قبل از وقت بارش کی خبر دے سکتے ہیں تو کیا امام الانبیاء محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارش کی خبر نہیں دے سکتے؟ یقیناً دے سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائص الکبریٰ میں نقل فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن میں برسنے والے بادل کی خبر دی۔ (ملاحظہ کیجئے خصائص الکبریٰ)

ماں کے پیٹ میں کیا ہے

جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بارش ہونے یا نہ ہونے کا علم ہے، اسی طرح اللہ کی عطا سے آپ کو اس حقیقت کا بھی علم ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چچی اُم الفضل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب سے گزریں تو آپ نے ارشاد فرمایا، چچی جان! تمہارے حمل میں لڑکا ہے۔ جب یہ پیدا ہو تو اسے میرے پاس لانا۔ اُم الفضل کا بیان ہے کہ میرے فرزند پیدا ہوا اور جب میں اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت پڑھی اور اپنا لعابِ دہن اس کو چٹا دیا اور اس کا نام عبداللہ رکھ دیا پھر مجھ سے فرمایا کہ خلفاء کے باپ کو لے جاؤ۔ حضرت اُم الفضل کہتی ہیں کہ مجھے یہ سن کر بڑا تعجب ہوا اور میں نے اپنے شوہر حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اس کا تذکرہ کر دیا تو انہوں نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں ہاں! میں نے ایسا ہی کہا ہے یعنی تمہارا بچہ واقعی خلفاء کا باپ ہے۔ اسی کی نسل سے 'سفاح' بھی ہوگا۔ اسی کی اولاد میں 'مہدی' بھی ہوگا۔ یہاں تک کہ اسی کی اولاد میں سے کچھ لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ (ملاحظہ کیجئے تاریخ الخلفاء، صفحہ ۱۵)

غور فرمایئے! اس حدیثِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں یہ فرمایا کہ اُم الفضل کے پیٹ میں بیٹا ہے، وہاں بچے کے مستقبل کا حال بھی بیان فرمایا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر خلافتِ عباسیہ کا مورثِ اعلیٰ ہوگا۔ اس کی نسل سے خلفاء پیدا ہوں گے اور اس کی نسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک باقی رہے گی۔ کیا یہ سب علمِ غیب کی تجلیاں نہیں؟ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے آپ کو اور آپ کے وسیلے سے اولیاء اللہ کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ ماؤں کی بچہ دانیوں میں کیا ہے۔

دُور نہ جایئے آج کی جدید سائنس پر ہی غور کر لیجئے کہ آج کا ڈاکٹر قبل از وقت ہی یہ خبر دیتا ہے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ ہے یا نہیں۔ ایک دنیادار انسان کے علم کی تحقیق پر ذرا غور کیجئے۔ ڈاکٹر کے اس دعویٰ کو ہر کوئی مانتا ہے۔ آج تک کسی مولوی نے یہ نہیں کہا کہ یہ دعویٰ شرک ہے۔ مگر افسوس پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھا جائے کہ وہ نہیں جانتے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ ایسا عقیدہ رکھنا سراسر گمراہی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وِصال کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا، بیٹی میں تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتا ہوں تیری غربت سے مجھے رنج پہنچتا ہے اور خوشحالی سے راحت۔ میرے انتقال کے بعد میرا ترکہ اپنے بھائیوں اور بہنوں میں قرآن کی روشنی میں تقسیم کر دینا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ابا جان! ایسا ہی ہوگا مگر میری تو صرف ایک ہی بہن اسماء ہے دوسری تو کوئی بہن نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اے بیٹی! تمہاری سوتیلی ماں حبیبہ حاملہ ہے اُس کے پیٹ میں لڑکی ہے پس اُس کی بھی تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد اُم کلثوم بنتِ ابوبکر پیدا ہوئیں۔ (تاریخ الخلفا، صفحہ ۷۹)

غور فرمایئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی اور غلام ہیں اُن کی علمیت اور غیب دانی کا یہ عالم ہے کہ اپنے انتقال سے پہلے انتقال کی بھی خبر ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی زوجہ کے پیٹ میں لڑکی ہے۔ جب ایک اُمتی کے علم کا یہ عالم ہے تو بتایئے کہ نبی کے علم کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت امام بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص پیدائش کے وقت اپنی ماں کے شکم میں چالیس دن رہتا ہے مزید آگے ارشاد فرمایا، پھر چالیس دن گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اُس میں روح پھونکتا ہے اور اُسے چار چیزیں لکھنے کا حکم ہوتا ہے: (۱) اُس کا رِزق (۲) اُس کی موت کا وقت (۳) اُس کے اعمال (٤) وہ بد بخت ہے یا نیک بخت۔ (ملاحظہ کیجیے بخاری شریف)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے فرشتے کو بھی اس بات کا علم ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور اسے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ وہ کب مرے گا، اُس کے اعمال اچھے ہوں گے یا برے اور وہ نیکو کار ہوگا یا گناہ گار۔ گویا فرشتہ ہر پیدا ہونے والے انسان کے بارے میں جانتا ہے اور اُس کے مستقبل کی خبر بھی رکھتا ہے۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اپنی کتاب میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، شاہ ولی اللہ دہلوی جب ماں کے پیٹ میں تھے تو اُن کے والد شاہ عبدالرحیم دہلوی خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو مراقبہ کیا۔ خواجہ بختیار نے فرمایا، تمہاری بیوی حاملہ ہے اور اُن کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے اُس کا نام قطب الدین احمد رکھنا وہ گھر آ کر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحب کی بیوی نماز میں تھیں جب اُنہوں نے دعا مانگی تو اُن کے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہوگئے وہ ڈر گئیں اور گھبرا کر اپنے شوہر سے کہنے لگیں یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے فرمایا، ڈرو مت تمہارے پیٹ میں ولی اللہ ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے ارواح ثلاثہ، حکایت نمبر ۴، صفحہ ۱۸، ۱۹)

اس واقعہ سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اولیاء اللہ کے مزار پر جانا جائز ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی اولیاء اللہ کے مزار پر جانا تھا۔ لہٰذا جو شاہ ولی اللہ کو اہل ایمان مانتے ہیں انہیں اولیائے کرام کے مزارات پر جانے پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔

دوسری بات یہ کہ صاحبِ مزار حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمۃ کی بیوی کو حاملہ ہونے اور لڑکا ہونے اور اُس کے ولی ہونے کی بھی خبر دی۔ دیوبندی مکتبہ فکر کے یہی حکیم الامت اشرف علی تھانوی ایک اور واقعہ لکھتے ہیں:۔

شاہ عبدالرحیم کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خان تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں سے تھے ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوگی یا لڑکا اور جو آپ بتا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ (ارواح ثلاثہ، صفحہ ۱۶۳)

دیوبندی مکتبہ فکر کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کے تحریر کردہ ان واقعات سے یہ معلوم ہوا کہ جب اولیائے کرام یہ جانتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے تو امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا شان ہوگی۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چچی اُم الفضل کو یہ خبر دی کہ تمہارے پیٹ میں لڑکا ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ کل کون کیا کرے گا۔ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کے مستقبل کا پورا حال بیان فرما دیا۔

اس کے علاوہ بھی دلائل وشواہد کے بے شمار چراغ جگمگا رہے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کل کون کیا کرے گا۔ مثلاً

کل کون کیا کرے گا

جنگِ خیبر کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کل میں جھنڈا اس مرد کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح فرمائے گا۔ چنانچہ دوسرے دن جھنڈا آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا اور انہوں نے خیبر کو فتح کر لیا۔ (ملاحظہ کیجئے مشکوۃ شریف، باب مناقب علی)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن پہلے بتا دیا تھا کہ کل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر کو فتح کر لینگے۔ جس سے واضح ہوا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے اس بات کا علم تھا کہ کل کون کیا کرے گا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیل ہوئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور انکے کان میں کوئی بات کہی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کان میں کچھ فرمایا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رونے اور پھر ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، پہلی بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرا اسی مرض میں وِصال ہوگا جس کی وجہ سے میں رونے لگی۔ پھر دوبارہ آپ نے فرمایا، میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملوگی تو میں ہنسنے لگی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی۔ (بخاری، ج ا ص ۵۱۴)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے وصال کا علم تھا اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے وصال کے بعد گھرانے میں سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک باغ میں تھے اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اجازت ہے اور ابوبکر کو جنت کی بشارت دی۔ پھر حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اندر آنے کی اجازت طلب کی جس پر آپ نے ارشاد فرمایا، ان کو بھی اجازت ہے اور ان کو شہادت اور جنت کی خوشخبری دے دو۔ (ملاحظہ کیجئے طبرانی شریف)

اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شہید ہونے کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے خبر ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تمہیں ایک ضرب یہاں اور ایک یہاں لگے گی اور آپ نے کنپٹی کی طرف اشارہ فرمایا پھر تمہارے خون نکلے گا اور تمہاری داڑھی خون میں تر ہو جائیگی۔ (خصائص الکبریٰ، جلد ج ۲ ص ۱۲۷)

اس حدیثِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں پہلے ہی تفصیل سے بتا دیا تھا۔ مذکورہ بالا تمام حقائق سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بعطائے الٰہی حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حقیقت کا علم تھا کہ کل کون کیا کرے گا اور اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

کون کہاں مرے گا

اسی طرح 'کون کہاں مرے گا' اس کا علم بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے۔ ہر اہل علم اس حقیقت کو جانتا ہے کہ جنگِ بدر کے موقع پر حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ سے ایک دن پہلے مقام بدر پر میدانِ جنگ میں چھڑی سے لکیر کھینچ کر یہ فرمایا تھا یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور یہ فلاں کافر کے مقتول ہونے کا مقام ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ مقتولین کفار میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے ایک ذرہ بھی نہ ہٹا تھا، جس جگہ جس شخص کے قتل ہونے کی جگہ آپ نے معین فرمادی تھی اسی جگہ اس کی لاش ملی۔ (ملاحظہ کیجئے مسلم شریف، جلد دوئم باب غزوہ بدر)

ایک شخص جس کا نام قرمان تھا کسی وجہ سے جنگِ اُحد میں شریک نہ ہوسکا اور مدینہ میں ہی پڑا رہا۔ اسے جب عورتوں نے دیکھا تو کہا ہماری طرح گھر پر کیوں بیٹھے ہو چنانچہ اسے جوش آیا اسی وقت اُٹھا اور جہاد میں شریک ہوا اور کفار و مشرکین پر ایسے تابڑ توڑ حملے کیے کہ سب حیران رہ گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اسے دیکھا تو فرمایا، یہ شخص جہنمی ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔ قرمان نے جوش میں آکر سات مشرکین کو ہلاک کیا۔ چند صحابہ اسکے پاس پہنچے اور کہا خدا تجھے شہادت نصیب کرے۔ کہنے لگے خدا کی قسم میں اسلام کی خاطر نہیں لڑ رہا۔ میں تو اس لئے لڑ رہا ہوں کہ یہ لوگ کہیں ہمارے نخلستانوں پر قبضہ نہ کرلیں۔ اسے ایک شدید زخم لگا جو اس کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ اس نے خنجر سینہ پر مارا اور خودکشی کرلی۔ اس طرح وہ واصل جہنم ہوا۔

(ملاحظہ کیجئے شواہد النبوۃ ۱۳۴)

مسلمانو! یہ تجربہ کی بات ہے کہ عام طور پر چھوٹے چھوٹے بچوں کی زبان پر اکثر وہ گانے اور اشعار زبان پر آجاتے ہیں جن کی دھوم زیادہ ہو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس زمانے میں ایک نعتیہ مصرعہ بہت مشہور تھا جس کے بول یوں ہیں:

فینا نبی یعلم ما فی غد

ہمارے درمیان وہ نبی ہیں جو کل آئندہ میں ہونے والی باتوں کو جانتے ہیں۔

حضرت ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری شادی کے دن میرے گھر تشریف لائے تو بچیاں دَف بجا بجا کر میرے ان باپ داداؤں کا مرثیہ پڑھنے لگیں جو جنگِ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ اسی دوران اچانک ایک بچی نے نعت شریف کا یہ مصرع پڑھنا شروع کردیا: **فینا نبی یعلم ما فی غد** 'ہمارے درمیان وہ نبی ہیں جو کل آئندہ میں ہونے والی باتوں کو جانتے ہیں'۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مصرع سن کر ارشاد فرمایا، اس مصرع کو رہنے دو اور وہی کہو جو کہہ رہی تھیں۔

(ملاحظہ کیجئے مشکوٰۃ باب اعلان النکاح)

معلوم ہوا کہ علمِ غیب کا معاملہ دورِ صحابہ میں اس قدر مقبولِ عام اور شہرہ آفاق تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام تو دور کی بات ہے چھوٹی بچیاں بھی اپنے اشعار اور گیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے نغمے گاتی تھیں۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مصرع بچی کی زبان سے سنا تو یہ نہیں فرمایا کہ یہ مصرع شرک ہے یا گناہ ہے۔ صرف اتنا فرمایا کہ اس مصرعہ کو چھوڑ کر وہی شہدائے بدر کا مرثیہ پڑھو۔ کیونکہ شہدائے بدر کے مرثیہ سے آپ کو سرور مل رہا تھا اسی لئے فرمایا کہ یہ نہ پڑھو بلکہ وہی کہو جو کہہ رہی تھیں۔ اگر یہ مصرع کفریہ یا شرکیہ ہوتا تو یقیناً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مصرع پر سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے اور اُمت پر واضح کرتے کہ یہ مصرع شرک ہے۔ مگر آپ نے ہرگز اس مصرع کو شرک وکفر سے تعبیر نہیں فرمایا بلکہ شہدائے بدر کے مرثیہ کو سننے کو پسند کیا۔ یہ آپ کی انکساری اور تواضع بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ خداوندِ قدوس نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر اس علم سے آگاہ فرمادیا جس کو آپ نہیں جانتے تھے۔ وہ علم غیب ہو یا علم شہادہ، یا ان پانچ باتوں کا علم ہو۔ آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لمحہ میں حضرت آدم علیہ السلام کو جو علوم عطا فرمائے اور آپ علوم ومعارف کے جس بلند مرتبے پر فائز ہوئے اس مقام ومرتبے کو دیکھ کر فرشتوں کی قدسی جماعت بھی آپ کے علمی وقار عرفانی عظمت کے سامنے سربجسود ہوگئی۔ ذرا سوچئے جب حضرت آدم علیہ السلام کے علوم وعرفان کی منزل اتنی بلندتر ہے تو پھر پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کی کثرت اور ان کی رفعت وعظمت کا کیا عالم ہوگا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذریعۂ علوم وحیٔ الٰہی ہے اور آپ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے علوم ومعارف کے خزانے حاصل کرتے ہیں اور چند لمحوں میں علوم ومعارف کے اتنے بڑے خزانے جمع ہوجاتے ہیں کہ زمین وآسمان کی وسعتیں بھی ان خزانوں کو نہیں سمیٹ سکتیں۔

تیسرا اعتراض

کفار ومشرکین اور منافقین' اِسلام کی شاندار ترقی اور عظیم الشان فتوحات اور کامرانیاں دیکھ دیکھ کر آتش نمرود کی طرح بھڑک رہے تھے۔ان کی ہمتیں اسلام کے مقابلے میں ٹوٹ چکی تھیں۔کھل کر مقابلہ کرنے کی ان میں قطعی جرأت نہ تھی۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ وہ اپنی باطنی خباثت کے ذریعہ نئے نئے فتنے برپا کرتے رہتے۔جس سے مسلمانوں کو ذہنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین گستاخ اور بے ادب تھا اس نے ایک ایسی سازش کی جس نے مسلمانوں میں ایک طرح سے قیامت برپا کردی۔اس ظالم نے اس مقدس اور پاکیزہ ہستی کو اپنی بہتان تراشی کا نشانہ بنایا جس کا تعلق براہِ راست حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک سے تھا۔عبداللہ بن ابی اور اس کے دیگر ساتھیوں نے ناموسِ رسالت پر ایسا وار کیا کہ بہت سے سادہ لوح مسلمان بھی اس کی سازش کا شکار ہوئے۔

۵ ہجری کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک قافلے کے ہمراہ غزوہ بنی المصطلق سے مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قافلے کے ہمراہ تھیں۔جب یہ قافلہ ایک مقام پر ٹھہرا تو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ضرورت کیلئے ایک گوشہ میں تشریف لے گئیں۔اتفاق کی بات کہ وہاں آپ کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اور آپ اس کو تلاش کرنے لگیں۔ادھر قافلہ جانے کی تیاری کرنے لگا۔قافلے والوں کو یہ گمان رہا کہ اُم المؤمنین اپنے اونٹ پر محمل میں تشریف فرما ہیں۔لہٰذا قافلہ چل دیا۔جب آپ واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے۔لہٰذا آپ اسی جگہ پر تشریف فرما ہوگئیں۔آپ کو یقین تھا کہ ان کی تلاش میں کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔چنانچہ یہی ہوا حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے جب انہوں نے اُم المؤمنین کو تنہا دیکھا تو افسوس کرتے ہوئے بلند آواز میں بولے 'اناللہ وانا الیہ راجعون'۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے پردہ کر لیا اور اونٹنی پر سوار ہو کر قافلے میں جا ملیں۔منافقوں کو زبان کھولنے کا موقع مل گیا اور خاندانِ نبوت کی عزت وعظمت سے کھیلنے کیلئے بدگوئی شروع کردی۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بہتان کو سن کر بیمار ہوگئیں اور اس صدمہ سے اس قدر روئیں کہ آنسو نہ تھمتے تھے اور ایک ماہ تک اشکباری کا سلسلہ جاری رہا۔آخر کار حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طہارت اور پاکیزگی کی خود اللہ نے گواہی دی۔چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لکل امریٔ منهم ما اکتسب من الاثم والذی تولیٰ کبره منهم له عذاب عظیم (سورۂ نور:۱۱)

ان میں ہر شخص کیلئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور ان میں وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کیلئے بڑا عذاب ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ میں یہ واضح کیا گیا کہ اس بہتان طرازی میں جس نے جس قدر حصہ لیا اسی قدر عذاب دیا جائے گا۔

اس واقعہ میں جہاں منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذاتِ مقدسہ پر بہتانِ عظیم لگا کر آپکی عزت و ناموس سے کھیلنے کی کوشش کی وہاں اس واقعہ میں کچھ لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم پر بھی تابڑ توڑ حملے کیے کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب ہوتا تو وہ ضرور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرفداری کرتے ان کی غمگساری فرماتے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اس واقعہ سے افسردہ ہو گئے۔

اس واقعہ میں منافقین نے حضرت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو تہمت لگائی اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور دین اسلام کی حقانیت کی تنقیص کر کے اسلام کی بنیادوں کو منہدم کر دیا جائے۔ منافقین اہل عرب کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ جس نبی کے گھر کا یہ حال ہے اس کی نبوت و رسالت کی صداقت کو کیونکر تسلیم کیا جائے۔

مگر افسوس ہے ان اسلام کے نام لیواؤں پر جو منافقین کے اس ذلیل اور گھٹیا الزام کے واقعہ کی روشنی میں حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے انکار کی راہیں نکالنے کی مذموم کوششیں کر رہے ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی اہلیہ محترمہ کی پاک دامنی کا نزولِ وحی سے پہلے علم ہوتا تو آپ اضطراب و پریشانی میں مبتلا کیوں ہوتے۔ آپ ۳۷ روز تک اپنی زوجہ سے جدا کیوں رہے۔ جب قرآن مجید نے حضرت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پاک دامن اور منافقوں کو جھوٹا قرار دیا تب جا کر اصل حقیقت آپ پر ظاہر ہوئی۔

مسلمانو! اس میں شک نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہت رنجیدہ اور افسردہ ہوئے مگر یہ افسردگی اس وجہ سے نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عزت و ناموس پر شک تھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاک دامن ہیں اور منافقین غلط تہمت لگا رہے ہیں۔ مگر آپ کا رنجیدہ ہونا اصل میں کفار و منافقین کی بے ہودہ گوئی اور جھوٹی تہمت کی وجہ سے تھا۔ آپکے مغموم و پریشان ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو حقیقت کا علم نہ تھا بلکہ آپ کو تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے طیبہ و طاہرہ اور پاکیزہ و پارسا ہونے کا ایسا کامل یقین تھا کہ نزولِ وحی سے پہلے ہی آپ نے اللہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا، کون ہے جو ایسے شخص کے متعلق میری طرف سے خیر خواہی کرے جس نے میری زوجہ کے متعلق مجھے رنج اور اذیت پہنچائی۔ خدا کی قسم میں اپنی زوجہ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ (دیکھئے بخاری شریف، صفحہ ۵۹۵)

اہل ایمان غور فرمائیں کہ نزولِ وحی سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر تہمت کے جھوٹ ہونے کا اعلان فرمار ہے ہیں اور ایسا واضح اعلان فرمار ہے ہیں کہ خدا کی قسم مجھے اپنی زوجہ میں خیر کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ حضور تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس واضح اور دوٹوک ارشاد سے واضح ہوگیا کہ نہ تو آپ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر شک تھا اور نہ ہی آپ اصل حقیقت سے بے خبر تھے۔ ایک سچے اور وفادار اُمتی کیلئے تو اپنے نبی کا اتنا ارشاد ہی کافی ہے۔

اب اگر کوئی بدنصیب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قسم پر بھی اعتبار نہ کرے اور یہی رٹ لگاتا رہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم نہ تھا تو ایسے متعصب کیلئے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ اِن شاءَ اللہ ایسے گستاخ و بے ادب کو آج نہیں تو کل بروزِ محشر اس بے باکی اور گستاخی پر ایسی دردناک سزا ملے گی جس کا وہ تصور نہیں کرسکتا۔

اس واقعہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صبر و شکر کا امتحان تھا کہ جھوٹی تہمت ہونے کے باوجود آپ نے معاملہ اللہ کے سپرد کردیا اور خود جج بن کر فیصلہ مناسب نہ سمجھا بلکہ حکمِ الٰہی کا انتظار فرمایا۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ہی فوراً فیصلہ کردیتے تو جو شرف اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سورۂ نور کے نزول ہونے سے حاصل ہوا اور جو قیامت تک آپ کی عزت و عظمت اور ناموس کا اعلان کرتا رہے گا وہ شرف آپ کو کہاں حاصل ہوتا۔

اس واقعہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف ایک ماہ تک توجہ نہ کرنا لاعلمی کی وجہ سے ہرگز نہ تھا بلکہ اس تہمت کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ جب تک معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف نہ ہوگا اس وقت تک آپ توجہ میں کمی فرمائیں تاکہ کسی دشمن اسلام کو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں۔ آپ کا غمگین ہونا اس لئے تھا کہ یہ تہمت ایک ایسی پاک دامن ہستی پر لگی تھی جس کا تعلق آپ کی ازواج سے تھا۔ آپ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے گناہی کا کامل یقین تھا۔ اگر آپ کو ان کی بے گناہی کا یقین نہ ہوتا تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ایک ماہ تک تحقیق و تفتیش کرانے کیلئے بے توجہی اختیار کی اور اس معاملہ کو طویل کردیا تاکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی ہر طرح سے ظاہر ہوجائے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسی حکمت کے تحت ان کی برأت قرآن مجید میں تاخیر سے فرمائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غمگین ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جن سے آپ کو توقع نہ تھی وہ چند ایک مسلمان بھی منافقین کی اس سازش کا شکار ہوگئے تھے، جس سے آپ کو قلبی دُکھ پہنچا۔

اللہ تعالیٰ نے اُم المؤمنین کو جو مقام و مرتبہ عطا کیا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی فضیلت کو بطور تحدیث نعمت کے بیان فرمایا کہ دوسری عورتوں کا نکاح زمین پر ہوا اور میرا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر فرمایا۔ بخاری شریف کی حدیث مبارک ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خواب میں مجھے حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو ریشمی لباس میں پیش کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ تین مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ واقع پیش آیا۔ (ملاحظہ کیجئے قسطلانی، بخاری شریف، جلد ا صفحہ ۱۵۵)

یہ بات پیش نظر رہے کہ انبیاء کے خواب مثل وحی کے ہوتے ہیں جن کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

يٰبُنَيَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ اَذۡبَحُكَ (سورۃ الصفٰت: ۱۰۲)

اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کا خواب مثل وحی کے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب کی بنیاد پر اپنے لاڈلے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کر دی۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ رؤیا الانبیاء وحی انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ (بخاری شریف)

مسلمانو! غور فرمایئے جس خاتون مقدس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس اور برگزیدہ رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں دی ہو اس مقدس طاہرہ اور پاکیزہ خاتون کے بارے میں منافقین کی جھوٹی تہمت پر کیا اللہ کے رسول بدظن ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا اس واقعہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی نفی کی دلیل بنانا باطل ہے۔ جو لوگ اس واقعہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی نفی کی دلیل بنا رہے ہیں وہ دراصل پیغمبر اسلام پر دو غلط الزام لگا رہے ہیں ایک الزام علم کی نفی میں جبکہ دوسرا الزام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بدگمان ہونے کا۔ حالانکہ شرعاً کسی مسلمان پر بدگمانی کرنا قرآن و حدیث کے خلاف اور حرام عمل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تو غلط نہ ہوگا کہ جو لوگ اس واقعہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عدم علم کی دلیل بناتے ہیں ان کا یہ بہتان پیغمبر اسلام ہی کیلئے نہیں بلکہ اس ذلیل نظریے نے اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس کو بھی داغدار کر کے رکھ دیا ہے کہ معاذ اللہ اس عالم الغیب ذات نے ایک ایسی ویسی خاتون کو اپنے مقدس رسول کے نکاح میں دے دیا۔

پس جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ واقعہ مطلق حضور کیلئے غیب ہے اور اگر حضور غیب جانتے تو اس واقعہ کی روشنی میں پریشان نہ ہوتے ایسے لوگوں کا عقیدہ رکھنا مسلمانوں کا طریقہ ہرگز نہیں بلکہ یہ نظریہ منافقوں کا ہے جس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔ ذرا سوچئے اگر اس عقیدہ کو بنیاد بنا لیا جائے کہ اس واقعہ کو جاننے والا صرف اللہ ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دوسرا ہرگز نہیں جانتا تو ذرا بتایئے اس واقعہ کا علم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تھا یا نہیں؟ کراماً کاتبین فرشتوں کو علم تھا یا نہیں؟ یہ تہمت چونکہ شیطانی تھی اور ابلیس نے اپنے چیلے عبداللہ بن ابی سے یہ تہمت لگوائی بتایئے اس واقعہ کا علم شیطان کو تھا یا نہیں؟ علماء فرماتے ہیں ہر شخص کیساتھ پانچ فرشتے مزید اور ہوتے ہیں ایک دائیں ایک بائیں ایک سینے کے سامنے ایک پیچھے اور ایک پیشانی کے سامنے۔ یہ فرشتے محافظین کہلاتے ہیں۔ ذرا بتایئے ان پانچوں فرشتوں کو اس واقعہ کا علم تھا یا نہیں؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا علم صرف اللہ کو ہی ہے کسی غیر کو نہیں جو اس واقعہ کو جانے وہ صرف اللہ ہے تو ایسے لوگوں کے دھرم میں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کراماً کاتبین و محافظین، عبداللہ بن ابی اور شیطان ابلیس بھی خدا ٹھہرے کیونکہ اس واقعہ کو یہ بھی جانتے تھے۔ پس اے مسلمانو! اس شیطانی نظریے سے بچو اور اپنا عقیدہ پختہ بناؤ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے یہ واقعہ ہرگز غیب نہیں تھا۔ آپ بعطائے الٰہی اس واقعہ کو جانتے تھے۔ آپ کا خاموش رہنا کسی حکمت کے تحت تھا۔

مسلمانو! عبداللہ بن ابی وہ منافق تھا جسے شیطان ابلیس نے یہ پٹی پڑھائی اور اس منافق نے اپنے دل سے گھڑ کر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر یہ بہتان لگایا اور اس کی جماعت نے اسے خوب عام کیا۔ آج بھی اُس کی معنوی اولاد اس واقعہ کو ڈھال بنا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی نفی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے:

يعظكم الله ان تعودوا لمثله ابدا ان كنتم مؤمنين (سورۂ نور: ۱۷)

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

معلوم ہوا کہ اس واقعہ کی وضاحت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرما دیا اگر تم ایمان والے ہو تو کبھی اس واقعہ کو نہ دُہرانا لہٰذا جو مومن ہیں وہ کبھی اپنی زبان پر اس واقعہ کا ذکر نہیں لائیں گے اور نہ اس واقعہ کا چرچا کریں گے۔ مگر جو منافق ہونگے وہ اس واقعہ کو بھرے مجمع میں اُٹھا کر عبداللہ بن ابی کا کردار ادا کرتے رہیں گے۔

وحی کا تاخیر سے آنے میں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس واقعہ میں خاموشی اختیار کرنے میں بیشمار حکمتیں ہیں جو اللہ جانتا ہے یا اُس کے بتانے سے اُس کا رسول۔ اس واقعہ میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ منافقین جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور دل ہی دل میں پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف بغض وحسد رکھتے تھے اور اندر ہی اندر اسلام کے خلاف منصوبے بناتے تھے ان کے اس ظاہری لبادے کا پردہ چاک کر دیا جائے اور زیادہ سے زیادہ منافقین بے نقاب ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جن کے دل منافقت سے بھرے ہوئے تھے اُن کے دلوں کی سیاہی زبان پر آ گئی اور منافقت کی بیماری ظاہر ہو گئی۔

سورۂ یوسف میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی حالانکہ وہ نبی ہیں مگر اُن کی برأت کی گواہی ایک شیر خوار بچے نے دی جو چار ماہ کا بچہ تھا۔ (سورۂ یوسف:۲۶)

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی تو ان کی برأت کی گواہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی جو ابھی پیدا ہی ہوئے تھے۔ (سورۂ مریم:۲۹)

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ کی عظمت کا کتنا خیال ہے کہ اُس کی طہارت اور پاکیزگی کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی۔

چوتھا اعتراض

صحابیٔ رسول حضرت عثمان بن مظعون کا جب انتقال ہوا تو حضرت اُم العلاء انصاریہ نے کہا کہ اللہ نے تم کو عزت دی یعنی تم جنتی ہو اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کو عزت دی ہے۔ مزید ارشاد فرمایا بخدا مجھے بارگاہِ خداوندی سے عثمان کیلئے خیر ہی کی اُمید ہے اور خدا کی قسم میں (قیاس سے) نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف کتاب الجنائز)

اس حدیثِ مبارکہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق قیاس سے یہ حکم لگا دینا کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی دُرست نہیں۔

حضرت عثمان بن مظعون کے انتقال پر حضرت ام العلاء نے جنتی ہونے کا جو حکم لگایا تھا وہ محض ان کا قیاس اور گمان تھا کہ وہ نیک اور پارسا ہیں لہٰذا جنتی ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت کی کہ کسی نیک بندے کے بارے میں یہ تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جنت عطا فرمائے گا مگر کسی کے حق میں قطعی طور پر یہ حکم لگا دینا کہ وہ جنتی ہے دُرست نہیں کیونکہ ہر انسان کے معاملہ کو ذاتی طور پر جاننا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ کے بتائے بغیر کسی کو اپنے انجام کی خبر نہیں۔

مسلمانو! مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو (معاذ اللہ) اس کا بھی علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا سلوک فرمائیگا (نعوذ باللہ) ایسا عقیدہ رکھنا باطل اور ایمان کے تقاضوں کے منافی ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ کو اپنے انجام کی معاذ اللہ خبر نہیں تھی بلکہ اس کا اصل مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رسول کاہنوں اور نجومیوں کی طرح قیاس، گمان اور ظن سے کوئی حکم نہیں لگاتا بلکہ آپ کا حکم علم و یقین کی بنیاد پر ہوتا ہے محض ظن و قیاس کی بنیاد پر تو اللہ کا رسول اپنی ذات کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہتا۔

اس حدیثِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ' خدا کی قسم میں نہیں بتا سکتا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا' اس فرمان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں بلکہ اس حدیث مبارکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کا واضح مطلب یہ ہے کہ میں ذاتی طور پر کچھ نہیں بتا سکتا۔ ہر کسی کے معاملہ کو ذاتی طور پر جاننا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس حدیثِ مبارکہ میں ذاتی طور پر یا خود بخود انجام جاننے کی نفی ہے عطا کردہ جاننے کی نفی ہرگز نہیں۔ آپ کی ذات مبارکہ تو وہ عظیم المرتبت ذات گرامی ہے کہ جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (سورۂ والضحیٰ:۵)

اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی حضور سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری اُمت کا ایک شخص بھی دوزخ میں ہوگا تو میں راضی نہ ہوں گا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر کبیر، جلد۲صفحہ ۵۶۷)

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا (سورۂ بنی اسرائیل:۷۹)

قریب ہے کہ تمہیں تمہارا ربّ ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

محمود وہ مقام ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے اور سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمد کریں گے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

انا سید ولد آدم ولا فخر بیدی لواء الحمد ولا فخر وآدم وما سواہ تحت لوائی ولا فخر

قیامت کے روز اولادِ آدم کا میں سردار ہوں گا۔ حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔

آدم اور دیگر پیغمبروں کو میرے جھنڈے کے نیچے پناہ ملے گی۔ یہ باتیں فخریہ طور پر نہیں کہہ رہا، حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں۔

مذکورہ بالا ارشادات سے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان وعظمت اور درجات وکمالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام کا تو کوئی کیا اندازہ لگائے گا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو متعدد غلاموں کو جنتی ہونے کی بشارت دنیا ہی میں دی۔ مثلاً عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی سے کون واقف نہیں۔ یہ وہ دس صحابہ ہیں جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی دنیا میں خبر دے دی۔

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا:

سید اشباب اھل الجنۃ

یہ دونوں شہزادے اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا ہی میں یہ خوشخبری دی: وتدخل الجنۃ اور تم جنت میں داخل ہو۔

پس آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت، دونوں جہاں میں کامیابی و غفران، عزت و عظمت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ ہے اور آپ کو آخرت کی بہتری اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا دنیا ہی میں علم اور یقین کامل تھا اور آپ مقامِ محمود کے اس بلند ترین مرتبے پر ہوں گے جہاں تک کسی کی رسائی نہ ہوئی ہوگی۔ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ آپ سے کیا معاملہ فرمائے گا حقیقت میں یہ وہ ذلیل اور مذموم عقیدہ ہے جو زمانہ نبوت کے کفار و مشرکین بھی رکھا کرتے تھے۔ تفسیر خازن میں ہے کہ جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (سورۂ احقاف:۹)

اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔

تو کافروں اور مشرکوں کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے کہا ہمیں لات و عزیٰ (بتوں) کی قسم ہمارا معاملہ اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا معاملہ ایک جیسا ہے اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں کیونکہ قرآن میں نبی سے کہلوایا گیا ہے 'اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا'۔ (ملاحظہ ہو تفسیر خازن، صفحہ ۱۴۳)

جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور کفار و مشرکین اور منافقین نے اس آیت کو سنا تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور کہنے لگے کہ ایسے نبی پر ایمان لانے سے کیا فائدہ جسے اپنے انجام کی بھی خبر نہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن ان کا اپنا گھڑا ہوا ہے اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو کیا اللہ تعالیٰ انہیں یہ بھی نہ بتاتا کہ بروزِ قیامت ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

چونکہ کفار و مشرکین کی عقل و فراست بغض و حسد کی بناء پر دم توڑ چکی تھی وہ اس آیت کی حقیقت نہ سمجھ سکے حالانکہ اس آیتِ کریمہ کا واضح مطلب یہ ہے کہ اے محبوب پیغمبر آپ ان کافروں اور منافقوں کو بتادیں کہ میں اپنی عقل و فہم، ذہانت اور قیاس سے یہ نہیں جانتا کہ اس دنیا میں میرا، مجھ پر ایمان لانے والوں کا اور میری تبلیغ کا کیا انجام ہوگا اور تمہیں تمہاری گستاخی اور بے ادبی کی کب اور کیا سزا ملے گی۔ ان تمام باتوں کو میں اپنی عقل اور فہم و فراست سے ہرگز نہیں جانتا۔ میرا علمی سرمایہ میری عقل و شعور کا اثر نہیں بلکہ میرا علم تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے جس میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں باوجود یہ کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور نبی کی سوچ اور عقل اہل دنیا سے بڑھ کر ہوتی ہے لیکن میں بھی اپنی عقل سے یہ نہیں جانتا جب میں اپنی عقل سے یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا، تو تم کیسے جان سکتے ہو مجھے میرے ربّ نے وحی کے ذریعے علم عطا کیا تمہیں کون سی وحی آتی ہے جو تم جان لو لہٰذا ایسی باتوں کیلئے عقل کو استعمال مت کیا کرو۔

علامہ ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمۃ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ علم نہ تھا کہ آخرت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیساتھ کیا کیا جائیگا تو ایسی نازیبا بات سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو اس وقت سے اپنے جنّتی ہونے کا علم تھا جب روزِ اوّل ارواح انبیاء سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر طبری)

علامہ نیشاپوری تحریر فرماتے ہیں، اس آیت میں خود بخود جان لینے کی نفی کی گئی ہے اور جو بذریعہ وحی عطا ہوا اس کی نفی نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس آیتِ کریمہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خود بخود جاننے کی یعنی ذاتی علم کی نفی ہے ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے آپ ہر بات کے جاننے والے ہوئے اور اپنے بہتر انجام اور اعلیٰ و افضل مرتبے کا علم ہوا۔

پس اے مسلمانو! مذکورہ آیتِ کریمہ کی روشنی میں یہ واضح ہوا کہ جو عقیدہ و نظریہ دشمنانِ اسلام کفار و مشرکین رکھا کرتے تھے وہی عقیدہ بدنصیبی سے آج مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے کچھ لوگ بھی اختیار کر رہے ہیں اس طرح وہ علم نبوت کا انکار کر کے اپنے متاعِ ایمان کو نیست و نابود کر رہے ہیں۔

پانچواں اعتراض

ایک مرتبہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی اپنے اصحاب تبلیغ کیلئے بھیجئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ستر قُرّاء انصار صحابہ ان کے ساتھ بھیج دیئے تو وہ شہید کر دیئے گئے۔ (قسطلانی، جلد ۶ صفحہ ۲۱۶)

اس واقعہ کی روشنی میں کچھ لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب ہوتا تو وہ انہیں ہرگز نہ بھیجتے۔ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جان بوجھ کر شہید کروایا تھا۔ ان کا یہ اعتراض کہاں تک دُرست ہے اور کس حد تک غلط۔ آیئے اس حقیقت کا اندازہ قرآنی آیات اور معتبر روایات سے لگاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے دُنیا میں تشریف لائے تو اپنے ہمراہ عود (خوشبودار لکڑی) کا عصا بھی لائے۔ یہ لاٹھی پیلو کی لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ مقدس عصا انبیاء کرام کے پاس یکے بعد دیگر بطور میراث کے منتقل ہوتا رہا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو یہ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا۔ حضرت علامہ عبداللہ بن احمد نسفی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عصا سے آٹھ طرح کے کام لیا کرتے تھے:۔

۱......اس کو ہاتھ میں لے کر اس کے سہارے سے چلتے۔

۲......اس سے بات چیت کر کے دل بہلاتے۔

۳......دن میں اس کا درخت بن جاتا جو آپ پر سایہ کرتا۔

٤......رات میں اس کی دونوں شاخیں روشن ہو جاتیں۔

۵......اس سے دشمنوں، درندوں، سانپوں اور بچھوؤں کو مارتے۔

٦......جب کنوئیں سے آپ پانی بھرتے تو یہ رسی بن جاتا۔

۷......بوقتِ ضرورت درخت بن کر حسبِ خواہش پھل دیتا۔

۸......اس کو زمین پر گاڑھ دیتے تو پانی نکل آتا۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ عصا کو ہاتھ میں لئے مقدس وادی 'طویٰ' میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ وہ کلام کیا تھا اور اس کا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا دیا۔ سنئے ارشادِ خداوندی ہوا:

وما تلك بيمينك يموسىٰ

اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ!

قال هى عصاى .... الخ (سورۂ طٰہٰ: ۱۷،۱۸)

عرض کی یہ میرا عصا ہے میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اس میں اور کام ہیں۔

مسلمانو! قرآن مجید کے مذکورہ بالا ارشاد میں اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ ارشاد فرمانا، اے موسیٰ! تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے' توجہ طلب ہے۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا کا علم نہیں تھا؟ کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا تھا کہ یہ عصا ہے اور اس عصا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت سے کام لیتے ہیں؟ کیا یہاں اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی ہے؟ مسلمانو! ایسا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں مگر اس سوال میں حکمتیں پوشیدہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر واضح کر دینا چاہتا ہے اس کے اسرار و رموز اور اس کی حقیقتوں کو صرف اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کو اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی میں استعمال کرے۔

جس طرح اس واقعہ میں حکمت اور راز و نیاز پوشیدہ ہے اور اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کی نفی نہیں اسی طرح ستر صحابہ کا بھیجنا بھی کسی حکمت سے خالی نہیں، جسے ہم ناقص العقل نہیں سمجھ سکتے اور سنئے اور اپنے ذہنوں کو شکوک و شبہات سے آزاد کیجئے۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

و كان حقا علينا نصر المؤمنين (سورۂ روم: ۴۷)

اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مومنین کی مدد فرمانا۔

اس آیت سے واضح ہے کہ مومنین کی مدد فرمانا اور مومنین کے مقابلے میں کفار کو ہلاک کرنا، برباد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی ضرور مدد فرماتا ہے اور کفار و مشرکین کے شر سے بچاتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ان الذین یکفرون بأیٰت اللہ ویقتلون النبین بغیر حق (سورۂ آل عمران:۲۱)

وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے:

ویقتلون الانبیآء بغیر حق (سورۂ آل عمران:۱۱۲)

اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے۔

مذکورہ آیات سے ثابت ہوا کہ انبیائے کرام ناحق شہید ہوئے۔

بنی اسرائیل قوم نے ایک ساعت میں تینتالیس نبیوں کو قتل کیا اور جب ان میں سے ایک سو بارہ نیک بندوں نے اُٹھ کر انہیں نیکیوں کا حکم دیا تو اسی روز بنی اسرائیل قوم نے انہیں بھی قتل کر دیا۔

مسلمانو! یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں جب یہ واضح کر دیا گیا کہ مومنین کی مدد کرنا اور مومنین کے مقابلے پر کفار کو شکستِ فاش دینا اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو کفار کے ظلم اور بربریت سے بچا کر ان کی مدد فرماتا ہے مگر آپ نے پڑھا کہ قرآن مجید میں یہ واضح کیا گیا کہ بنی اسرائیل نے انبیاء کو ناحق قتل کیا اسکے علاوہ ایک سو بارہ مومن بندوں کو بھی انہوں نے قتل کر دیا ذرا سوچیے جب اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرنے والا، ان کی مدد فرمانے والا اور ان کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دینے والا ہے تو پھر انبیاء قتل کیوں کیے گئے۔ ایک سو بارہ مومن بندوں کو موت کے گھاٹ کیوں اُتارا گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو ان کے قتل ہونے کا علم نہ تھا؟ جب وہ مومنوں کی مدد کرنے والا ہے تو انبیائے کرام قتل کیوں ہوئے؟ کیا اللہ تعالیٰ جانتا نہیں تھا کہ میرے یہ برگزیدہ انبیاء اور محبوب بندے دشمنوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے جائینگے۔ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم ہوتا تو وہ اپنے صحابہ کو ہرگز دشمن کے ہمراہ نہ بھیجتے وہ لوگ جواب دیں کہ عالم الغیب ذات اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کا کیا عقیدہ ہے کہ جس نے تینتالیس انبیاء کو لوگوں کی ہدایت کیلئے دنیا میں بھیجا تو انہیں انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو ان کے قتل ہونے کے بارے میں علم نہیں تھا۔

اس واقعہ کی روشنی میں ہر اہل ایمان کا یہ ایمان ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ ہر بات کا جاننے والا ہے وہ ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے کوئی بات جو آئندہ ہونے والی ہے اس سے پوشیدہ نہیں مگر بعض اوقات بعض واقعات میں حکمتیں ہوتی ہیں جسے انسان نہیں سمجھ سکتا۔

انبیاء کا قتل ہونا بھی کسی حکمت سے خالی نہیں۔ مذکورہ واقعہ میں جو اسرار و رموز اور جو راز و نیاز پوشیدہ ہیں اس کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کسی انسان کو یہ اختیار نہیں کہ مذکورہ واقعہ کو اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کی دلیل بنائے۔ ایک انسان اپنی ناقص عقل اور فہم ادراک کے سبب جو رائے دے سکتا ہے وہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس واقعہ میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے سے مرتبے بلند ہوتے ہیں اور شہادت کا مرتبہ پانے والے آخرت کے بلند ترین مرتبے پر ہوتے ہیں یہی وجہ تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے ستر صحابہ کا انتخاب فرمایا جنہوں نے وہاں درجہ شہادت حاصل کرنا تھا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جان بوجھ کر شہید کروایا تھا اور اگر وہ یہاں مدینہ ہی میں رہتے اور وہاں نہ جاتے تو زندہ رہتے ایسا عقیدہ رکھنا قرآن کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة ....الخ (سورۂ نساء:۷۸)

تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ لے گی۔ اگر چہ مضبوط قلعوں میں ہو اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ حضور کی طرف سے آئی ہے تم فرماد و سب اللہ کی طرف سے ہے۔

مسلمانو! منافقین کا یہ عقیدہ تھا کہ جب وہ کسی غزوہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جاتے اگر فتح ہوتی اور مالِ غنیمت ہاتھ آتا تو کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے انعام ہے اور اگر خدانخواستہ شکست یا کوئی نقصان ہوتا یا کوئی مسلمان شہید ہو جاتا تو وہ اسے برائی کا سبب سمجھتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی زبانِ بد سے یہ کہتے کہ حضور نہ بھیجتے تو یہ حال نہ ہوتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے:

یا یہا الذین امنوا لا تکونوا کالذین کفروا وقالو لاخوانھم ....الخ (سورۂ آل عمران:۱۵۶)

اے ایمان والو ان کافروں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اپنے بھائیوں کی نسبت کہا جب وہ سفر یا جہاد کو گئے کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں واضح فرمادیا اے مومنو! اپنا عقیدہ ان کافروں کی طرح ہرگز نہ رکھنا جو یہ کہا کرتے کہ اگر وہ جہاد پر نہ جاتے تو مارے نہ جاتے۔ یاد رکھو! جو راہِ خدا میں نکلتا ہے اور اس دوران اگر وہ شہید کر دیا جائے تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور ان کا راہِ خدا میں مرجانا تمام عمر کے اعمال سے بہتر ہے۔ پس اے مسلمانو! جو لوگ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضور ستر صحابہ کو نہ بھیجتے تو وہ شہید نہ ہوتے یہ وہی اعتراض ہے جو مذکورہ آیت کی روشنی میں کفارِ مکہ کیا کرتے تھے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حقیقت کا علم تھا کہ میرے یہ جانثار صحابہ راہِ خدا میں شہید ہوں گے لہٰذا آپ نے چن چن کر ان ستر صحابہ کو بھیجا جنہیں اس مرتبے اور رحمتِ خداوندی سے سرفراز ہونا تھا۔ ایک مومن کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا مقام ہو سکتا ہے اور کہ اس کی جان راہِ خدا میں نکلے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس سعادت سے ہرگز محروم نہ ہونے دیا اور ستر صحابہ کو بھیج کر گویا انہیں اعلیٰ درجے کا جنتی بنا دیا۔

یہ ستر صحابہ اللہ کے نزدیک مقرب بندے تھے اللہ کے ان بندوں کے ساتھ جو سلوک دشمنوں نے کیا یقیناً انہوں نے اللہ کو ناراض کیا اور وہ خدا کے قہر کا شکار ہوں گے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور کو غیب کا علم ہوتا تو وہ ان کو دشمنوں کے حوالے نہ کرتے اس اصول اور ضابطے کے مطابق پھر یہ اعتراض تو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ پر بھی جائے گا وہ اس لئے اگر حضور کو غیب کا علم نہیں تھا تو اللہ کو تو غیب کا علم تھا پھر اُس ربّ نے ان ستر صحابہ کو کیوں نہ بچایا۔ کیا وہ اپنے ان نیک بندوں کو بچانے کی قدرت نہیں رکھتا تھا؟ (نعوذ باللہ) اُس نے اپنے رسول کو وحی کے ذریعے آگاہ کیوں نہ کیا؟ کیا وہ اس سازش سے بے خبر تھا؟ (نعوذ باللہ) یقیناً اللہ کو علم بھی تھا اور وہ بچانے پر قدرت بھی رکھتا ہے مگر حکمتِ خداوندی یہی تھی کہ ان ستر صحابہ کو جو مرتبہ و مقام اس واقعہ کے ذریعے ملنے والا تھا وہ کیسے ملتا؟ ایسا ہونا منشائے الٰہی تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حقیقت سے آگاہ تھے۔

قسطلانی شریف میں ہے کہ جب آپ کے پاس امداد کیلئے آدمی پہنچا تو عرض کرنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو نجدیوں کی تبلیغ کیلئے بھیجئے تاکہ وہ آپ کی طرف ان کو بلائیں مگر آپ نے یہ بھی فرمایا، میں نجدیوں سے ان پر ڈرتا ہوں مگر ابو براء کی ذمہ داری پر آپ نے ستر آدمی بھیج دیے۔ (ملاحظہ کیجئے قسطلانی شریف، جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

اس حدیثِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ 'میں نجدیوں سے ان پر ڈرتا ہوں' اس حقیقت کا واضح اور دوٹوک ثبوت ہے کہ آپ کو نجدیوں کے شر کا علم تھا مگر آپ نے انہیں شہادت کے مرتبے سے سرفراز ہونے کیلئے بھیجا۔ آپ اس حقیقت کو جانتے تھے کہ ان کا اللہ کی راہ میں شہید ہونا، آزمائش کی سخت ترین گھڑیوں سے گزرنا ان کے مرتبے مزید بلند ہونے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

چھٹا اعتراض

غزوۂ بنی المصطلق میں لشکرِ اسلام نے ایک رات ایک بیابان مقام پر قیام کیا جہاں پانی نہ تھا اور صبح وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا۔ عین روانگی کے وقت اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہوگیا۔ اس کی تلاش کیلئے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لشکرِ اسلام کے ساتھ مزید قیام فرمایا۔ جب اونٹ اُٹھا تو اُس کے نیچے ہار ملا جب سورج طلوع ہونے کا وقت قریب ہوا تو وضو کیلئے پانی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی یہ آیت نازل فرمائی:

فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم و ایدیکم (سورۂ نساء:۴۳)

تو پاک مٹی سے تیمّم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اس واقعہ کی روشنی میں بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہوتا تو ہار ڈھونڈنے کا حکم نہ دیتے اور فرما دیتے کہ ہار اُونٹ کے نیچے ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم نہیں تھا جب اونٹ اُٹھا تو ہار کا پتا چلا۔

مسلمانو! ہار گم ہونے میں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاموش رہنے میں یہ حکمت تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہار گم ہوجانے کی وجہ سے تیمّم کا حکم نازِل ہوا جس سے قیامت تک آنے والے مسلمان اس آیتِ کریمہ سے نفع حاصل کرتے رہیں گے۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموشی نہ فرماتے اور ہار کے بارے میں آگاہ فرما دیتے تو مسلمانوں اس آیت کی روشنی میں یہ رعایت اور آسانی ہرگز نہ ملتی۔ لہٰذا جو لوگ اس واقعہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیب کی نفی میں دلیل بناتے ہیں وہ حقیقت سے ناآشنا اور جہلا ہیں۔ ایسے جہلا سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

ساتواں اعتراض

مسلمانو! آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ ادا کرنے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور مقامِ حدیبیہ پر رُک گئے۔ کفارِ مکہ نے آپ اور آپ کے صحابہ کو عمرہ ادا نہیں کرنے دیا۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا تا کہ اہلِ مکہ پر یہ واضح کر دیا جائے کہ وہ صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں اور عمرہ ادا کر کے چلے جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ مکہ کو سمجھایا مگر وہ نہ سمجھے۔ اسی دوران یہ افواہ اُڑا دی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ جب یہ خبر مسلمانوں میں پہنچی تو مسلمان جوشِ انتقام میں بھڑک اُٹھے۔ اس موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کے خلاف میدانِ جنگ میں ڈٹے رہنے پر صحابہ سے بیعت لی جسے بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے۔

اس واقعہ کی روشنی میں کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر حضور کو علمِ غیب ہوتا پھر بیعت کیوں کی؟ کفارِ مکہ سے بدلہ لینے کو کیوں کہا؟ معلوم ہوا کہ آپ نہیں جانتے تھے کہ حضرت عثمان زندہ ہیں لہٰذا آپ کو غیب کا علم نہیں۔ (نعوذ باللہ)

مسلمانو! یہ حقیقت ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت کا شوق ہر وقت بے چین کئے ہوئے تھا۔ وہ اکثر اپنی اس خواہش کا اظہار حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کرتے تھے۔ آپ انہیں صبر کی تلقین فرماتے کہ عنقریب وہ دِن آنے والا ہے کہ جب ساری رُکاوٹیں دُور ہو جائیں گی اور تم بڑی آزادی سے حج و عمرہ کے ارکان ادا کر سکو گے۔ آخر کار ایک مرتبہ عشاق کا یہ قافلہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت میں بیت اللہ کی زیارت کیلئے مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ اس قافلے میں مسلمانوں کی تعداد چودہ اور پندرہ سو کے درمیان تھی۔ ستر اونٹ قربانی کیلئے ساتھ تھے۔ حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار تھے۔ جب یہ قافلہ مقامِ حدیبیہ پر پہنچا تو حضور کی ناقہ قصویٰ بیٹھ گئی اس موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اسے اس ذات نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا۔ آپ نے حکم فرمایا یہیں ٹھہر جاؤ۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہاں تو پانی کی ایک بوند نہیں۔ سارے کنوئیں خشک پڑے ہیں۔ یہاں اگر لشکرِ اسلام نے قیام کیا تو پانی نہ ہونے کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک صحابی کو حکم دیا کہ کسی کوئیں میں اُتر جائے اور یہ تیر اس میں گاڑ دے۔ صحابی نے حکم کی تعمیل کی۔ تیر گاڑنے کی دیر تھی کہ پانی جوش مارتا ہوا اُبل پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے کنواں پانی سے بھر گیا۔

کفارِ مکہ کو جب مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو ان کے دلوں میں وسوسوں اور اندیشوں کے طوفان امنڈ آئے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ عمرہ تو ایک بہانہ ہے مسلمانوں کا اصل مقصد خانہ کعبہ پر قبضہ کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ کسی صورت میں مسلمانوں کو حرم میں داخل نہیں ہونے دیا جائے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ جنگ نہ ہونے پائے اور سارے معاملات بحسن وخوبی طے پا جائیں۔ آپ نے اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ بیت اللہ کی زیارت کا شوق ہمیں یہاں لایا ہے جنگ کرنا ہمارا مقصد نہیں۔ قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ احرام ہم پہن چکے ہیں۔ ہم عمرہ ادا کرکے چلے جائیں گے۔ مگر اہل مکہ نہ مانے اور مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ آخر کار حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کی طرف روانہ کردیا تاکہ حضرت عثمان خاندانی اثر ورسوخ کے سبب اہل مکہ کی غلط فہمیوں کو دُور کرسکیں اور اہل مکہ کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ مسلمانوں کو زیارتِ کعبہ سے نہ روکیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ جاکر قریش مکہ کے رؤسا سے ملاقاتیں کیں۔ انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ کہنے لگے اے عثمان اگر تم چاہو تو کعبہ کا طواف کرسکتے ہو۔ آپ نے جواب دیا جب تک اللہ کے پیارے رسول خانہ کعبہ کا طواف نہیں کریں گے میں طواف نہیں کروں گا۔

آپ نے مزید فرمایا، اسلحہ ہمارے پاس نہیں۔ جانور ہمارے ساتھ ہیں اگر ہمارا ارادہ جنگ کا ہوتا تو کیا ہم اس بے سروسامانی کی حالت میں آتے؟ آپ نے انہیں یقین دِلانے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ نہ مانے۔ ابھی گفتگو کا یہ دور جاری ہی تھا کہ اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو شہید کردیا۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان کردیا کہ وہ کفارِ مکہ کے خلاف میدانِ جنگ میں ڈٹے رہیں گے چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جان کی بازی لگادینے کی بیعت کریں۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے جلوہ افروز ہوئے صحابہ کرام پروانوں کی طرح شوقِ شہادت سے سرشار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے لگے۔ صحابہ کرام یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے مرکز مدینہ منورہ سے دُور ہیں۔ تعداد بھی ان کی چودہ پندرہ سو کے قریب ہے۔ جنگ کیلئے جس قسم کے ہتھیار کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی پاس نہیں ہیں۔ جبکہ دشمن اپنے علاقہ میں ہے۔ وہ مکہ کے تمام جنگجو قبائل کو مسلح کرکے میدان میں لاسکتے ہیں۔ وہ ان تمام نتائج سے بے نیاز ہوکر اپنے ہادی ومرشد کے دستِ مبارک پر سر کٹانے اور جان دینے کیلئے بیعت کررہے ہیں۔ صحابہ کرام کے جذبہ اور ایثار وقربانی کا یہ ایسا قابل دید منظر تھا کہ اگر ان پاکباز اور شمع رسالت کے پروانوں کا روح پرور منظر عالم بالا کے مکینوں نے بھی دیکھا ہوگا تو انہیں بھی وجد آگیا ہوگا۔

اس بیعت اور مسلمانوں کی سرفروشی اور جانثاری کی اطلاع جب اہل مکہ کو ملی تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ نیندیں اُڑ گئیں۔ مارے خوف کے لرز اُٹھے۔ جس ہٹ دھرمی کا وہ اب تک مظاہرہ کر رہے تھے وہ فوراً دُور ہو گئی۔ انہوں نے فوراً صلح کا راستہ نکالا اور بات چیت کرنے کیلئے سہیل بن عمرو کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ جہاں ایک باضابطہ معاہدہ طے ہوا، جو صلح حدیبیہ کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔ صلح ہو جانے کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان جنگی کیفیات کا خاتمہ ہو گیا۔ آنے جانے پر پابندی اُٹھ گئی۔ اس معاہدہ کے بعد تبلیغ اسلام کا کام اس زور وشور سے ہوا اور ایسی شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ گزشتہ اُنیس سال کی جدوجہد ایک طرف اور صلح حدیبیہ کے بعد دو سال کی جدوجہد ایک طرف۔ اللہ تعالیٰ نے بیعتِ رضوان کی برکت سے کفارِ مکہ کے دِلوں پر مسلمانوں کی ہیبت ڈال دی۔ کفار و مشرکین خوفزدہ ہو گئے۔ جس سے اسلام کی راہ میں آنے والی رُکاوٹیں دُور ہوتی چلی گئیں۔ اسلام عرب کی سرزمین پر بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔ قبائل کے قبائل فوج در فوج اسلام قبول کرنے مدینہ کا رُخ کرنے لگے۔ کامیابی و کامرانی مسلمانوں کا مقدر بن گئی۔ یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے مراکز، خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیمہ اور تبوک پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس سفر میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمرائیوں کی تعداد تقریباً چودہ سو کے لگ بھگ تھی مگر صلح حدیبیہ کے دو سال بعد جب مکہ فتح کرنے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو دس ہزار مسلمانوں کا لشکر جرار ہمراہ تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی افواہ اُڑنا بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ نہ یہ افواہ اُڑتی نہ حضور اپنے صحابہ سے بیعت کرتے۔ اس افواہ کا یہ اثر ہوا کہ یکایک ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ تعداد کی قلت اور اسلحہ کے فقدان کی پرواہ کئے بغیر محض قوتِ ایمانی پر بھروسہ کرتے ہوئے مسلمان کفارِ مکہ سے ٹکرانے کیلئے تیار ہو گئے اور جانبازی اور سرفروشی کا ایسا عملی مظاہرہ کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کی دھاک دشمنوں پر بٹھا دی جو مستقبل میں اسلام کے فروغ اور ترویج و اشاعت کا سبب بن گئی۔

اس واقعہ کو جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کی دلیل بناتے ہیں ایسے لوگ عقل کے اندھے ہیں جو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر اس واقعہ کو پرکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی عقل و فراست بغض و حسد کی بناء پر دم توڑ چکی ہے۔ اس بیعت کے کیا اسرار و رموز تھے یہ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس کی حقیقت کو اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جان سکتے ہیں۔

اس بیعت سے مستقبل میں اسلام کیلئے جو مثبت نتائج نکلنے تھے نگاہِ نبوت ان خوش آئند نتائج کو دیکھ رہی تھی۔ حضور جانتے تھے کہ عثمان غنی زندہ ہیں لہٰذا آپ نے فرمایا کہ عثمان اس وقت اللہ اور اس کے رسول کام میں لگے ہوئے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ۵۶۱،۵۶۲)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور فرمایئے! اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زندہ ہونے کا علم نہ ہوتا تو آپ ہرگز یہ الفاظ ارشاد نہ فرماتے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیعت کے دوران فرمایا، یہ عثمان کا ہاتھ ہے یعنی اس بیعت میں حضرت عثمان کو بھی شامل کیا گیا اور بیعت ہمیشہ زندوں سے ہوتی ہے مردوں سے نہیں۔ آپ جانتے تھے کہ حضرت عثمان غنی زندہ ہیں اور دین کے کام میں مصروف ہیں لہٰذا آپ نے ان کی طرف سے بیعت کی۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جو بیعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کی اس بیعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا جو لوگ بیعتِ رضوان کو حضور کے علم کی نفی کی دلیل بناتے ہیں ان کا اللہ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے کہ جس عالم الغیب ذات نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی حضرت عثمان کی شہادت کا علم نہیں تھا؟ (نعوذ باللہ)

پس اے مسلمانو! اگر اپنے ایمان کی سلامتی کو یقینی بنانا چاہتے ہو تو ایسے باطل اور فاسد نظریئے سے بچو کہ جس مذموم عقیدے کے تحت پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم و جلیل فضیلت علمی کا انکار ہو۔ کیا ایک مسلمان کی ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب نبی کو جو قوت علمی عطا فرمائی اس کا انکار کیا جائے محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے علم ثابت کرنے کیلئے بے ہودہ استدلال کا سہارا لیا جائے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے علم بے بہا کو محدود کرنے کیلئے اپنی تمام فکری قوتوں کو وقف کر دیا جائے؟ لائق نفرت ہیں وہ لوگ جو ان درخشاں حقائق کے ہوتے ہوئے توحید کے نام پر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم بیکراں اور غیب کی وسعتوں کو تنگ سے تنگ کرنے کیلئے شب و روز ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین طرح کے علم عطا فرمائے۔ پہلا وہ جس کا بتانا اور اُمت تک پہنچانا آپ کیلئے فرض ہے۔ دوئم وہ جس کا آپ کو اختیار دیا گیا جسے اہل سمجھیں بتا دیں جسے چاہیں نہ بتائیں۔ سوئم وہ علم جسے دوسروں کو بتانے سے بالکل منع فرمایا بلکہ اسے چھپانے کا حکم دیا گیا جس کے اسرار و رموز کو اللہ اور اس کے رسول کے کوئی دوسرا ہرگز نہیں جانتا۔ جیسے علوم خمسہ (یعنی قیامت کے وقت کا علم، بارش کب ہوگی، کل کیا ہوگا، کون کہاں وفات پائے گا، ماں کے پیٹ میں کیا ہے) اس کے علاوہ حروفِ مقطعات کا علم۔ جو قرآن کی بعض آیات کے ابتدائی حروف ہیں۔ ان حروف میں راز و نیاز کے جو گوہر چھپے ہوئے ہیں انہیں اللہ اور اس کے رسول کے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ اس کے علاوہ جہاں کبھی بھی آپ نے کسی بات پر خاموشی فرمائی یا جسے ظاہر نہ کیا وہ بھی راز ہیں جن کی حکمتوں کو اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا سکھایا اس کے بارے میں چند مفسرین کے اقوال سنئے۔ تفسیر جلالین جو دنیائے اسلام کے تمام مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے، اس کتاب میں ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام احکام اور علم غیب آپ کو سکھا دیا۔ (تفسیر جلالین)

تفسیر روح المعانی میں ہے، تمام پوشیدہ چیزیں اور سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خدا نے آپ کو بتا دی ہیں یا تمام اگلوں اور پچھلوں کی ساری خبریں آپ کو تعلیم فرما دی ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر روح المعانی، جلد ۵ صفحہ ۱۴۳)

تفسیر خازن میں ہے، شریعت کے تمام احکام اور دین کی تمام باتیں اور علم غیب غرض جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرما دیا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر خازن)

مسلمانو! ذرا غور فرمائیے کہ علم تفسیر کے ان عظیم المرتبت بزرگوں نے قرآن مجید کی آیت کی تفسیر میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ یقیناً ایک طالب حق کیلئے درخشاں ستارے کی طرح ہدایت کا نور ہے۔ قرآن مجید میں اس کے علاوہ اور دیگر کئی آیاتِ مقدسہ موجود ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی مدح وثناء اور ان علمی فضائل وکمالات کے سینکڑوں آفتاب و ماہتاب پوری آب وتاب کے ساتھ ہدایت کا نور بکھیر رہے ہیں اور مفسرین کرام کی تفاسیر میں تشریحات کے ایسے ایسے تابناک اور روشن ستارے جگمگا رہے ہیں جن سے صراطِ مستقیم کی شاہراہ پر چلنے والوں کو رشد وہدایت کی روشنی ملتی رہے گی۔

آپ چونکہ تمام عالمین کے رسول ہیں اور تمام عالمین میں جو کچھ ہے وہ سب آپ کے حلقہ نبوت میں آتے ہیں اور کوئی ایسا علم ایسا نہیں جس کی آپ کو خبر نہ ہو۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علومِ غیبیہ عطا فرمائے اس کا احاطہ کسی انسان سے ممکن نہیں۔ آپ کے علوم و معارف کے کیا کہنے۔ آپ کا مقام ومرتبہ تو بہت افضل واعلیٰ ہے اس کا احاطہ تو کوئی کیا کرسکے گا آج اگر ہم صرف دنیاوی علوم ہی پر غور کریں تو شاید اس کا احاطہ بھی ہم نہ کرسکیں۔ زیادہ دُور نہ جائیے ذرا ۱۶ جولائی ۱۹۹۶ء کو ہونے والے واقعہ پر ہی غور کرلیجئے جس سے دورِ حاضرہ کا ہر باشعور شخص باخبر ہوگا۔ آنے والی نسلوں کی معلومات کیلئے یہ یادگار واقعہ تحریر کررہا ہوں۔

امریکہ کے سائنسدانوں نے یہ خبر دی کہ دمدار ستارہ شومیکر لیوی 9 مشتری سیارہ سے 16 جولائی 1996ء کو پاکستان کے وقت کے مطابق رات کے ایک بجکر ایک منٹ پر ٹکرائیگا جس سے ہولناک تباہی ہوگی۔ دمدار ستارے کے اکیس ٹکڑے ہر چھ گھنٹے کے بعد سیارہ مشتری پر گرنا شروع ہونگے اور اس کا ہر دھماکہ دو لاکھ میگاٹن یعنی ایک لاکھ ہائیڈروجن بموں کے دھماکوں کے برابر ہوگا۔ 628 ملین کلومیٹر یعنی 22 کروڑ میل کی دوری پر ہونے والے اس ٹکراؤ سے زمین پر کیا اثر ہوگا سائنسدان اس بات کی تصدیق تو نہ کرسکے مگر اتنا ضرور بتا دیا اگر دمدار ستارے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لندن میں گر جائے تو اس سے پورا یورپ تباہ ہوجائے گا۔ یہ اعلان سنتے ہی دنیا میں ایک ہلچل مچ گئی۔ ہر شخص کا موضوع بحث یہی تھا کہ 16 جولائی کو کیا ہوگا؟ لوگوں کی نیندیں اُڑ گئیں، سکون برباد ہوگیا، خوف وہراس اور یقین کا یہ عالم تھا کہ جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیبی علم کے منکر تھے وہ بھی اس خوف سے اپنی اپنی مساجد میں اذانیں دینے لگے۔

مسلمانو! آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۶ جولائی کو یہ تصادم ہوا بالکل وقتِ مقررہ پر یعنی پاکستان کے وقت کے مطابق رات ایک بجکر ایک منٹ پر دمدار ستارہ مشتری سے ٹکرایا جو امریکہ کے سائنسی ادارے میں ٹیلی اسکوپ ہبل کے ذریعہ کمپیوٹر پر دیکھا گیا اور اس ٹکراؤ سے اہل دنیا کو باخبر کیا۔ دنیا بھر کے لوگوں نے اخبارات ورسائل کے ذریعہ اس ہولناک تصادم کے مناظر دیکھے۔

(ملاحظہ کیجئے اخبارات ۱۷ جولائی ۱۹۹۶ء)

مسلمانو! میں یہاں آپ کو یہ دعوتِ فکر دے رہا ہوں کہ ایک انگریز یہودی کی علمی بصیرت پر غور کیجئے کہ زمین سے بائیس کروڑ میل کی بلندی ہے۔ ہزار ہا تہہ خلا کے درمیان میں موجود ہیں مگر اس کے باوجود اس رونما ہونے والے واقعہ کو ایک انسان اپنی حقیقی نگاہوں سے مشاہدہ کررہا ہے۔ ذرا بتایئے اسے اس علم سے کس نے نوازا؟ اسے اس قدر بلند پرواز صلاحیتیں کس نے عطا کیں؟ کائنات میں انسان کو یہ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے بخشیں۔ اس میں سوچ وسمجھ، فکر وتدبر کا شعور اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے۔ اسلام کی تعلیمات بھی یہی ہے کہ انسان اپنی خداداد صلاحیتوں اور فہم وفراست سے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اس کائنات میں تلاش کرے۔ زمین کے خزانے نکالے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرتوں کا اعتراف کیا جاسکے اور اس کی طاقت وقدرت ہمیشہ پیش نظر رہے۔ سائنس کسی چیز کی موجد نہیں۔ ایجاد ہمیشہ اللہ ہی کرتا ہے البتہ اس ایجاد کو تلاش سائنسدان کرتے ہیں۔

مسلمانو! ذرا فیصلہ کیجئے کہ جب ایک گوری چمڑی والے یہودی اور عیسائی کی علمی بصیرت کا یہ عالم ہے کہ بائیس کروڑ میل کی دوری کی اسے خبر ہے اور وہ جانتا ہے کہ فلاں وقت یہ المناک دھماکہ ہوگا۔ ذرا بتایئے اس مقدس رسول کی علمی بصیرت کا کیا عالم ہوگا جس نے کسی انسان سے نہیں بلکہ خالق کائنات سے علوم ومعارف کے خزانے حاصل کئے۔ کیا کائنات کی کوئی شے اس ہستی سے مخفی رہ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس قرآن وحدیث سے واضح ہوا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب داں ہیں اور جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے سب کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا اللہ کی عطا سے ہے اللہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب داں بنایا تو آپ غیب داں ہوئے۔

اللہ کا عالم الغیب ہونا ذاتی، لامحدود، لامتناہی، قدیمی، ازلی، ابدی اور خود بخود ہے جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علمِ غیب عطائی، حادث اور محدود ہے۔ ذاتی کا عطائی سے، لامحدود کا محدود سے، قدیمی کا حادث سے اور لامتناہی کا متناہی سے کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا۔ دونوں کا زمین اور آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ جس کسی نے یہ کہنے کی جرأت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو اللہ کے علم سے ملا دیا تو ایسا کہنا سراسر بے دینی ہے کیونکہ لامحدود کو محدود سے ملانا سوائے گمراہی اور بے دینی کے کچھ نہیں۔

اللہ کے ذاتی علمِ غیب اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عطا کردہ علمِ غیب میں کوئی شراکت، کوئی ہمسری، کوئی برابری نہیں۔ جب شراکت اور برابری نہیں تو پھر شرک کہاں رہا۔ شرک تو اس وقت ہوتا جب کوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کو ذاتی، قدیمی، ازلی، ابدی، لامحدود کہتا جو یقیناً اللہ کے لامحدود اور ذاتی علمِ غیب میں شراکت ہوجاتی اور ایسی شراکت شرک ہے۔

پس جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعطائے الٰہی غیب داں مانتے ہیں وہ مشرک نہیں ہوسکتے بلاشبہ وہ اہل ایمان ہیں اور جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطلقاً غیب داں ہونے کا انکار کرتے ہیں ایسے لوگ قرآن واحادیث کے منکر ہیں انکے اس انکار سے قرآن کی کئی آیات سے انکار ہو جائے گا اور قرآنی آیات کا انکار یقیناً کفر ہے اور کافر ومرتد ہرگز وہرگز مسلمان نہیں ہوسکتے اور جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا' ذاتی، لامحدود، لامتناہی اور قدیمی صفات کے تحت مانتے ہیں بلاشبہ وہ مشرک ہیں لیکن دنیا میں ایسا کوئی مسلمان نہیں جو ایسا گندہ عقیدہ رکھتا ہو۔

حقیقی مدد کرنے والا اللہ ہے

محترم مسلمانو! ہمارا ایمان کامل ہے کہ اللہ ہم سب کا مددگار، کارساز اور مشکل کشا ہے۔ مددگار، مشکل کشا اور کارساز ہونا اللہ کی صفات ہیں۔ اللہ کی ان صفات میں نہ کوئی دوسرا شریک ہے نہ ہمسر وہ اپنی اس صفات میں بھی یکتا اور قطعی بے نیاز ہے۔ وہ اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

ایاک نعبد و ایاک نستعین (سورۂ فاتحہ:۴)

ہم تجھ ہی کو پوجیں اور تجھ ہی سے مدد چاہیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ ہی کی عبادت کرنی چاہئے اور اللہ ہی سے مدد لینی چاہئے کیونکہ اللہ ہمارا مددگار، کارساز اور مشکل کشا ہے۔ تمام انسانوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنا اسی وحدہ لاشریک کے ذمہ ہے۔

مسلمانو! مدد طلب کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک اللہ سے مدد طلب کرنا۔ دوسرے غیر اللہ سے مدد طلب کرنا۔

اللہ سے مدد طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کیونکہ اللہ ہی حقیقی مدد کرنے والا اور حاجتوں کو پوری کرنے والا ہے۔ جو اللہ سے مدد طلب کرنے کا منکر ہو وہ مسلمان ہرگز نہیں ہوسکتا۔ غیر اللہ یعنی اللہ کے سوا دوسروں سے مدد طلب کرنا اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ غیر اللہ کو اللہ ہی کی طرح حقیقی مدد کرنے والا اور حاجتوں کو پورا کرنے والا کارساز سمجھ کر مدد مانگی جائے اور یہ عقیدہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن کے بغیر بھی اپنی ذاتی طاقت سے ہماری مدد کرسکتا ہے۔ اس طرح غیر اللہ سے مدد مانگنا کھلا شرک ہے۔ مدد مانگنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ سے یہ سمجھ کر مدد مانگی جائے کہ یہ خدا ہی کا بندہ اور خدا ہی کی مخلوق ہے اور اس کے پاس جو تصرفات اور اختیارات اور مدد کرنے کے جتنے ذرائع ہیں اللہ ہی کی بخشی ہوئی عطا سے ہیں اور اللہ نے اسے ہماری مدد کا ایک وسیلہ بنایا ہے تو غیر اللہ سے ایسی مدد مانگنا کسی صورت میں شرک یا برابری نہیں۔ ذرا سوچئے اگر اس عقیدے کی روشنی میں غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک مان لیا جائے تو اس اصول اور ضابطے کے تحت تو ہم دن رات صبح و شام ہر گھڑی جو غیر اللہ سے مدد لیتے ہیں یہ سب شرک ہوجائے گا۔ کون نہیں جانتا کہ حقیقی شفا دینے والی ذات اللہ کی ہے مگر اسکے باوجود ہم ڈاکٹروں اور حکیموں سے شفا کیلئے مدد طلب کرتے ہیں، حاکموں سے انصاف طلب کرنے کیلئے مدد مانگتے ہیں چور، ڈاکو، لٹیروں اور رہزنوں سے تحفظ کیلئے پولیس سے مدد لیتے ہیں۔ مکانات اور دیگر عمارات تعمیر کرنے کیلئے مزدوروں اور انجینئروں سے مدد لیتے ہیں۔ مساجد اور مدارس کی تعمیر اور انہیں چلانے کیلئے دولت مندوں سے لاکھوں روپوں کی مدد حاصل کرتے ہیں دنیا میں آج تک کوئی مولوی ایسا نہیں ہوا کہ جس کو بھوک اور پیاس لگی ہو اور وہ کسی مسجد میں مصلیٰ بچھا کر بیٹھ گیا ہو اور

اللہ سے کھانے اور پینے کی مدد مانگتا ہوا سے بھی غیر اللہ سے مدد لینا ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے اس طرح مدد لینا جائز ہے اور اس کا ثبوت قرآن و احادیث میں کثرت سے ملتا ہے۔ جس کا اندازہ حسب ذیل قرآنی آیات سے لگا سکتے ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فان اللہ ھو مولٰہ و جبریل و صالح المؤمنین والملٰئکۃ بعد ذٰلک ظھیر (سورۂ تحریم:۴)

بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ (سورۂ مائدہ:۵۵)

تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو نماز پڑھتے ہیں۔

نوٹ...... مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں ولیکم آیا ہے اور مکتبہ دیوبند کے مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے ترجمہ میں ولی کے معنی مددگار ہی لکھے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے آیت انت ولي فی الدنیا والاٰخرۃ (سورۂ یوسف:۱۰۱)

اوپر دی گئی آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اگر مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو مدد کرنے والے نیک پرہیزگار نمازی، اولیائے کرام، ملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہیں ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ کے علاوہ انبیاء و اولیاء کے بھی مددگار ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ لہٰذا ان سے بھی بوقتِ ضرورت مدد مانگی جا سکتی ہے ذرا سوچئے اگر انبیاء اور اولیاء سے مدد لینا شرک و کفر ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت جبریل امین، نیک صالحین بندوں اور دیگر فرشتوں کو ہرگز مددگار نہ بناتا۔

تمام انبیائے کرام دنیا میں اسی لئے تشریف لائے کہ وہ شرک کا خاتمہ کر کے توحیدِ الٰہی کی تعلیم دیں وہ نہ خود شرک کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی تعلیم دیتے ہیں مگر قرآن کریم میں یہ بات ثبوت کے ساتھ موجود ہے کہ انبیائے کرام نے بھی غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا:

من انصاری الی اللہ

اللہ کی طرف سے میری مدد کرنے والا کون ہے۔

قال الحواریون نحن انصار اللہ (سورۂ آل عمران:۵۲)

حواریوں نے کہا ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ سے اپنے بوجھ اُٹھانے والے معاون و مددگار کیلئے درخواست کی اور اس مدد و تعاون کیلئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا نام بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

واجعل لی وزیرا من اہلی ہارون اخی اشدد بہٖ ازری (سورۂ طٰہٰ:۳۱)

اور میرے لئے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کردے میرا بھائی ہارون اس سے میری کمر مضبوط کر۔

قرآن مجید کی ان دونوں آیات میں انبیائے کرام کا اللہ کے سوا مخلوق سے مدد لینے کا ثبوت موجود ہے اگر اللہ کے سوا مدد مانگنا شرک ہوتا تو وہ کبھی بھی مخلوق سے مدد کی درخواست نہ کرتے۔

اوپر دی گئی آیتِ کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کتنے واضح انداز میں اپنی معاونت اور مدد کیلئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے طلب فرما رہے ہیں مگر اللہ نے اپنے کلیم سے یہ نہیں فرمایا، اے موسیٰ کلیم اللہ! تم نے میرے سوا کسی غیر کا سہارا کیوں طلب کیا؟ کیا میں تمہاری معاونت اور مدد کیلئے کافی نہیں۔

معلوم ہوا غیر خدا سے مدد لینا سنتِ انبیاء اور منشائے الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے مدد کرنے کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہوا:

واٰتینا عیسی ابن مریم البینٰت وایدنٰہ بروح القدس (سورۂ بقرہ:۸۷)

اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی۔

اس آیتِ مبارکہ میں روح القدس حضرت جبرائیل امین ہیں جو کہ فرشتوں کا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اگر اللہ کے سوا کسی غیر کا مدد کرنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہرگز جبرائیل امین سے مدد نہ کراتا۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

ولینصرن اللہ من ینصرہ (سورۂ حج:۴۰)

اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشادِ خداوندی ہے:

یا یہا الذین اٰمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم (سورۂ محمد:۷)

اے ایمان والو! اگر تم دین خدا کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

غور فرمایئے اوپر دی گئی دونوں آیات میں اللہ اپنے دین کی سربلندی کیلئے مخلوق سے ارشاد فرما رہا ہے کہ اے میرے بندو میرے دین کی مدد کرو، میں بھی تمہاری مدد کروں گا۔ مخلوق سے مدد مانگنا اگر شرک ہوتا تو اللہ کبھی مخلوق سے ارشاد نہ فرماتا۔

اس کے علاوہ کئی اور آیاتِ مبارکہ بھی اس بات کا واضح ثبوت پیش کرنے کیلئے قرآن مجید میں موجود ہیں جس میں مخلوق سے مدد مانگنے کا حکم موجود ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وتعاونوا علی البر والتقویٰ (سورۂ مائدہ:۲)

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

قرآن مجید میں ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے:

والمؤمنون والمؤمنٰت بعضهم اولیآء بعض (سورۂ توبہ:۷۱)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

اس آیت میں 'اولیاءٔ' کا لفظ آیا ہے اولیاء ولی کی جمع ہے جبکہ ولی کے معنی مددگار بھی ہیں، قرآن مجید میں ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح گڑگڑا کر دعا مانگتے:

واجعل لنا من لدنك ولیا واجعل لنا من لدنك نصیرا (سورۂ نساء:۷۵)

اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے۔

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں آتا ہے کہ اہل مکہ کے وہ مظلوم مسلمان جنہیں کفارِ مکہ نے قید کر دیا تھا اپنی رہائی اور مددِ الٰہی کیلئے بارگاہِ ربّ العالمین میں دعا کرتے تھے یہاں تک کہ ان مظلوم مسلمانوں کی دعا قبول ہوگئی اور اللہ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا ولی، دوست، حامی و ناصر اور مددگار بنا کر مکہ معظمہ کو فتح کرایا اور مظلوم مسلمانوں کو کفار و مشرکین کے ظلم سے آزاد کرایا اور یوں ان کی مدد فرمائی۔

از روئے ایمان بتایئے کیا اللہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ولی اور نصیر یعنی حمایتی اور مددگار بنا کر شرک فی الصفات کا دروازہ کھولا ہے؟ (معاذ اللہ) کیا اللہ نے شرک کی تعلیم دی ہے؟ (نعوذ باللہ)

ہر اہل علم اس حقیقت کو جانتا ہے کہ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے تو مدینہ کے مسلمانوں نے دل کھول کر مہاجر مسلمانوں کی امداد کی جس کی وجہ سے انہیں انصار کا لقب دیا گیا جس کے معنی مددگار کے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دین و دنیا کے کاموں میں اللہ والوں کی مدد لینا انہیں مددگار یا انصار کہنا شرک و کفر ہرگز نہیں بلکہ جائز، سنتِ صحابہ اور حکم الٰہی ہے۔

اللہ کے نیک بندوں سے مدد طلب کرنا توحید کے ہرگز خلاف نہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کو ایک دوسرے کا دوست، مددگار، نائب اور وارث بنایا اور ایساز بردست حامی و مددگار بنایا کہ انصار مسلمان اگر کفار و مشرکین سے جنگ کریں یا کفار ان پر ظلم و ستم کریں اور اس موقع پر وہ مہاجر مسلمانوں سے کفار کے مقابلے پر مدد مانگیں تو ان پر لازم کر دیا کہ وہ انصار مسلمانوں کی مدد کریں اس حقیقت کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر (سورۃ انفال:۷۲)

اور اگر وہ دین میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے۔

اس آیتِ کریمہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب کسی مسلمان کافر و مشرک سے رضائے الٰہی کیلئے جنگ کریں اور وہ دوسرے مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرنا لازم ہے۔ غور فرمایئے جب مسلمان ایک دوسرے کو مدد دے سکتے ہیں، ایک دوسرے کی حاجت روائی کر سکتے ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو پوری اُمت کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری اُمت کا مالک، شریعت کا مالک، دین و دنیا کا مالک بنایا۔ آپ نے دنیا کے تمام مسلمانوں کے قلوب اور جان و بدن کو ایک کر دیا۔ اگر کوئی اُمتی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچے دل سے مدد کیلئے پکارے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی عطا سے اپنے اس اُمتی اور غلام کی یقیناً مدد فرمائیں گے اُس کے مشکلوں کا مداوا کریں گے اور حاجت روائی فرمائیں گے۔ اِن شاءَاللہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد جس کسی کو نبوت عطا فرمائی ان سے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا۔ تمام انبیائے کرام سے لیا جانے والا وہ عہد کیا تھا؟ قرآن کی زبان میں سنئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

ثم جآءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ (سورۃ آل عمران:۸۱)

پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے

تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

غور فرمایئے مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام سے اللہ نے عہد لیا کہ نہ صرف تم میرے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا بلکہ ان کی بھی مدد کرنا۔

پیارے مسلمان بھائیو! بغض و عناد کی عینک اپنی آنکھوں سے اُتار کر ان تمام آیاتِ مبارکہ کا مطالعہ فرمایئے اور اپنے ایمان اور ضمیر کی روشنی میں فیصلہ فرمایئے کہ ان تمام آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے مدد مانگنے کا ثبوت موجود ہے یا نہیں؟ اگر ثبوت موجود ہے تو پھر اللہ کے سوا کسی غیر خدا سے مدد لینا شرک کیسے ہو سکتا ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اعینونی یا عباد اللہ

اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

(ملاحظہ کیجئے کتاب الاذکار صفحہ ۱۰۰ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

غور فرمایئے اگر اللہ کے سوا غیر سے مدد لینا شرک ہوتا تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کو کبھی مخلوق سے مدد لینے کی تعلیم نہ فرماتے۔

انبیاء واولیاء کی امداد و استعانت کے انکار میں جو لوگ جن آیات کو دلیل بناتے ہیں ان آیات کا تعلق انبیاء واولیاء سے نہیں بلکہ بتوں سے ہے۔ جن کی بت پرست پوجا کرتے تھے ان کو مدد کیلئے پکارتے اور انہیں اپنا معبود و مسجود سمجھتے تھے۔ اللہ نے بت پرستوں اور ان کے جھوٹے معبودوں کی مذمت میں کئی آیات نازل فرمائیں۔ تعجب ہے ان آیات کو محبوبانِ خدا انبیاء واولیاء سے منسوب کردیا گیا جو منشائے الٰہی کے خلاف اور خداوندِ قدس کے مقدس کلام پر بہتانِ عظیم ہے۔

جہاں تک ایاك نستعین (ہم تجھ ہی سے مدد چاہیں) کا تعلق ہے تو یہ جملہ دعائیہ ہے جو اللہ کے حضور بندوں کی طرف سے کی جاتی ہے اور یہ دعا اللہ نے اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی ہے۔ اس کی پوری آیت ایاك نعبد و ایاك نستعین ہے دونوں جملوں میں ایک رابطہ ہے اور وہ رابطہ اس طرح ہوگا۔

'اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور اس عبادت کرنے میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں'۔

ایاك نعبد ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کوئی دوسری ذات ایسی نہیں جس کی عبادت شرعاً یا عقلاً جائز ہو۔ وہ ربّ جو سب سے بالا اور قوی تر ہے، جو سب کا خالق اور سب کو اپنی تربیت سے مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ بندہ لاکھ جرم اور گناہ کرے وہ اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا ہے، وہ ربّ جو ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے جو ہماری زندگی اور موت کا مالک ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بندہ ایسے ربّ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرے۔ آخر کیوں؟ اس ربّ کے سوا دوسرا ہے ہی کون کہ جس کی عبادت کی جائے۔ اسی لئے قرآن نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم تیری عبادت کریں۔ آگے ارشاد ہوا و ایاك نستعین 'اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہیں'۔ اس آیت کا واضح مطلب یہ ہوا اے اللہ جس طرح ہم تیری عبادت کرتے ہیں اسی طرح مدد بھی ہم تجھ ہی سے حاصل کرتے ہیں، تو ہی ہمارا حقیقی کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا ہے اے اللہ میں تیرا بندہ کمزور و ناتواں ہوں، نفس کی فریب کاریاں بہت زیادہ ہے۔ اے پروردگار اپنے لطف وکرم سے تیری عبادت کرنے پر میری مدد فرما، جو سجدے تیری بارگاہ میں کیے انہیں قبول فرما اور اس عبادت پر مجھے مضبوط و مستحکم فرما تاکہ میں تیری رضا کی منزل تک پہنچ جاؤں۔

مسلمانو! اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس عالمِ اسباب میں اسباب سے قطع نظر کر لی جائے۔ بیمار ہے تو علاج سے کنارہ کش ہو جائے، تلاشِ رزق کے وسائل معاش سے دست بردار ہو جائے، حصولِ علم کیلئے صحبتِ استاد سے بیزار ہو جائے۔ اس طریقہ کار سے اسلام کا قطعی تعلق نہیں کیونکہ وہ اللہ جو حکیم بھی ہے شافی بھی ہے اور رزاق بھی اسی نے ان نتائج کو ان اسباب سے وابستہ کر دیا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے۔

اور اس میں بھی کلام نہیں کہ محبوبانِ خدا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ان کی عاجز اور نیاز مندانہ التجاؤں کو ضرور قبول فرماتا ہے۔

امام بخاری اور دیگر محدثین کرام حدیثِ قدسی نقل فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اگر میرا مقبول بندہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور اس کا سوال پورا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور اسے پناہ دوں گا۔ (حدیثِ قدسی)

تو اب اگر کوئی شخص ان محبوبانِ الٰہی کی جناب میں خصوصاً حبیبِ کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں کسی نعمت کے حصول یا کسی مشکل کی دوری کیلئے التماس کرتا ہے تو یہ استمداد و استعانت شرک نہیں بلکہ عین اسلام اور عین توحید ہے ہاں اگر کسی ولی یا کسی شہید یا کسی نبی کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ اللہ نہ چاہے تب بھی یہ امداد کر سکتا ہے تو یہ شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک ہے۔

کیونکہ حقیقی مددگار، کارساز اور دعا سننے والا صرف اللہ ہی ہے البتہ کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل ہستی سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ مدد اور استعانت تو اُمتِ رسول کا بارگاہِ رسالت میں ہمیشہ معمول رہا ہے۔

مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں سن ہو گیا کسی نے ان سے کہا، آپ کو جو سب سے پیارا ہو اس کو یاد کرو۔ آپ نے صدا لگائی **یا محمد** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! تو پاؤں ٹھیک ہو گیا۔ (ملاحظہ ہو شفا شریف، جلد ۲ صفحہ ۲۵)

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

یا رحمۃ اللعالمین ادرک لزین العابدین محبوس اید الظالمین فی موکب والمزدھم

اے رحمت اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! زین العابدین کی مدد کیجئے جو سواروں کے ہجوم کے اندر ظالموں کے ہاتھ میں قید ہیں۔

کربلا کے میدان میں جب یزید کی ظالم افواج نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاک وخون میں دیکھ کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح عرض کی:

یا محمداہ یا محمداہ صلی علیک اللّٰہ و ملک السماء ھذا حسین بالعرا مزمل بالدماء مقطع الاعضاء

اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ پر اللہ اور آسمان کے فرشتوں کا دُرود ہو

یہ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بے گور و کفن پڑے ہیں، خون میں لت پت اور اعضائے مبارک کٹے ہوئے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸ صفحہ ۱۹۳)

قصیدہ نعمان شریف میں کروڑوں حنفیوں کے امام، حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

یا اکرم الثقلین یا کنز الوری جدلی بجودک وارضنی برضاک

اے ساری مخلوقات سے بزرگ ترین اے نعمتِ الٰہی کے خزانے

اپنی سخاوت سے مجھے بھی عطا فرمایئے اور اپنی رضا سے مجھے بھی پسند فرمایئے۔

قصیدہ بردہ شریف میں حضرت علامہ امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ سواک عند حلول الحادث العمم

اے تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بزرگ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں۔

شمس العارفین حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرح بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کرتے ہیں:

یا رسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی برگزیدہ ذوالجلال پاک بے ہمتا توئی

یا رسول اللہ تو دانی امتانت عاجز اند عاجزاں را راھنما و جملہ را ماوی توئی

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خالق ذوالجلال اللہ کے برگزیدہ لاثانی آپ ہی صرف ایک ہیں،

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ جانتے ہیں کہ آپ کی اُمت عاجز ہے

ان تمام عاجزوں کے رہنما اور سب کو پناہ دینے والے آپ ہی ہیں۔

حضرت امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دربارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں یوں عرض کرتے ہیں:

یا سیدی یا رسول اللہ قد شرفت قصائدئی بمریح فیك قدر صفا

اے میرے سردار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول آپ کی مدح سرائی سے میرے قصیدے عمدہ اور شرف والے ہوگئے۔

شہنشاہِ ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں یوں عرض کرتے ہیں:

یا رسول اللہ شفاعت از تو میدا رم امید باوجود صد ہزاران جرم در روز حساب

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کا عاجز اُمتی لاکھوں جرم کے باوجود قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا اُمیدوار ہے۔

حضرت مصلح الدین شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دربارِ نبوت میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

چہ وصفت کند سعدی ناتمام علیك الصلوٰۃ اے نبی والسلام

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعدی ناتمام آپ کے اوصاف کیا بیان کرسکتا ہے، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ پر درود وسلام ہو۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارگاہِ نبوت میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

بہرِ صوت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما بلطف خود سر و سامان جمع بے سر و پا

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں ہم پر کرم فرمایئے ہم بے سروساماں ہیں ہمارا سروسامان آپ کا لطف وکرم ہی ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عرض کرتے ہیں:

زمھجوری برامد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدائی میں عالم کی جان نکل رہی ہے اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحم فرمایئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

وانت مجیر من هجوم ملمه انا اذا نثبت فی القلب شر المخالب

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے پناہ دینے والے ہیں جب مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور دل میں اپنے بے رحم پنجے گاڑ دیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر من وجهك المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقه بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

اے حسن و جمال والے آپ بشروں کے سردار بے شک چاند آپ کے چہرے کے نور سے منور ہے۔
جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت وثناء کرنے کا حق ہے، ممکن ہی نہیں کہ مخلوق سے ایسی تعریف ہو سکے
سوائے اس کے اور کیا کہیں کہ خداوندِ قدوس کے بعد ساری مخلوق سے برتر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

مسلمانو! مذکورہ بالا اشعار کا بغور مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ دورِ صحابہ کرام سے لے کر آج تک تمام مسلمان حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگتے رہے۔ آپ کی بارگاہ میں 'یارسول اللہ' 'یا حبیب اللہ' 'یا نبی اللہ' کا نعرہ لگاتے رہے جو لوگ 'یارسول اللہ' کہنا شرک کہتے ہیں وہ مذکورہ بالا اشعار سے عبرت حاصل کریں کہ صحابہ کرام سے لے کر دورِ حاضر تک کے مسلمانوں نے یارسول اللہ کہہ کر شرک کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا۔

ذرا سوچئے اگر حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدد کیلئے 'یا' کہہ کر پکارنا شرک مان لیا جائے تو صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سیّدہ زینب، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت شیخ سعدی، حضرت امام جامی، حضرت ابن حجر عسقلانی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور دیگر بے شمار برگزیدہ ہستیاں شرک کی زد میں آئیں یا نہیں؟ یقیناً یہ تمام مبارک ہستیاں نعوذ باللہ مشرک قرار پائیں گی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم، رحمہم اللہ تعالیٰ)

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضا (سورۂ نور:۶۳)

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں بارگاہِ رسالت میں گفتگو کرنے کا ادب واحترام بتایا گیا ہے اور اس طرح بولنے سے منع کیا جارہا ہے جس طرح عام لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہیں۔

صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیتِ مقدسہ کی روشنی میں فرماتے ہیں، رسول اللہ کو یا محمد کہہ کر نہ پکارو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ آپ کی تعظیم وتوقیر کرو اور یا نبی اللہ، یا رسول اللہ اور یا ابا القسام کہو۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن عباس، صفحہ ۳۳۲)

اس آیتِ مقدسہ کی روشنی میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، یا محمد نہ کہو بلکہ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ کہو نرمی وتواضع ہو آواز میٹھی ہو۔ (ملاحظہ ہو تفسیر جلالین، صفحہ ۳۰۲۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کی روشنی میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپس میں ایک دوسرے کی طرح یا محمد کہہ کر نہ پکارو بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہو۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد ۲۴، صفحہ ۴۰)

حضرت امام محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، مسلمانوں کو حکم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ کہہ کر نرمی اور تواضع سے پکاریں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر طبری، جلد ۱۸ صفحہ ۲۱)

حضرت امام عبداللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، یا محمد نہ کہو یا نبی اللہ یا رسول اللہ تعظیم وتوقیر اور نرم آواز کے ساتھ ندا دو۔ (ملاحظہ ہو تفسیر مدارک، صفحہ ۳۳۲)

مذکورہ بالا تفاسیر کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قرآنِ پاک کی مذکورہ بالا آیت میں یا رسول اللہ، یا نبی اللہ یا کوئی بھی تعظیمی القاب مثلاً یا رحمۃ اللعالمین، یا خاتم النبیین، یا شفیع المذنبین، یا حبیب اللہ وغیرہ پکارنے کا حکم موجود ہے، جو کسی طرح شرک نہیں۔

پیارے مسلمانو! سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدد کیلئے 'یا' کہہ کر پکارنا سلف صالحین اور بزرگانِ دین ہی کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس عقیدے پر علماء دیوبند اور اہل حدیث علماء کے پیشوا بھی قائم تھے۔

کلیاتِ امدادیہ میں علماء دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کرتے ہیں:

کیا ڈر ہے اس کو لشکر عصیاں و جرم کا　　تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یا رسول اللہ

علماء دیوبند کے یہی پیشوا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں:

یا محمد فریاد ہے　　اے حبیب کبریا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل　　اے میرے مشکل کشا فریاد ہے

(ملاحظہ کیجئے کلیات امداد، ۸۷ مطبوعہ دیوبند)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

یا رسول کبریا فریاد ہے　　یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
آپ کی امداد ہو یا نبی　　حال ابتر ہے میرا فریاد ہے

(ملاحظہ ہو نالہ امداد غریب کلیات امدادیہ، ۹۰ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علماء دیوبند مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے پیر کامل اور رہنما ہیں جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدد کیلئے پکار رہے ہیں اور گڑ گڑا کر عرض کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ میں سخت مشکل میں پھنس گیا ہوں اے میرے مشکل کشا میری مشکل کو حل کر دیجئے۔ جو لوگ غیر خدا سے مدد مانگنے کو شرک کہتے ہیں ان کے دھرم کی روشنی میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مشرک ہو چکے۔ جب پیر مشرک ہوا تو اس کے چاہنے والے مرید اور آج تک ان کو اپنا اکابر اور بزرگ ماننے والے سب اس اصول کے تحت مشرک ہو چکے۔

مکتبہ دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

یا شفیع العباد خذ بیدی   انت فی الاضطرار معتمدی

اے لوگوں کے شفیع میری دستگیری فرمایئے آپ ہی بوقتِ مصیبت میرے مددگار ہیں۔

مولوی اشرف علی تھانوی مزید عرض کرتے ہیں:

یا رسول اللہ بابك لی   من غمامِ الغموم ملتحدی

یارسول اللہ میں غموں کے بادلوں میں گھرا ہوا ہوں میری پناہ آپ ہی کا دروازہ ہے۔

(ملاحظہ ہو نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب)

دیوبند مکتبہ فکر کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کی فریاد پر بھی ذرا غور فرمایئے کہ وہ کس طرح بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مدد کی بھیک مانگ رہے ہیں کہ یارسول اللہ میں غموں میں گھر چکا ہوں خدارا میری دستگیری فرمایئے اس مصیبت کے وقت آپ ہی میرے مددگار ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا اصول کے مطابق اشرف علی تھانوی بھی مشرک ٹھہرے اور ان کے ماننے والے اور ان کو حکیم الامت کہنے والے بھی مشرک ٹھہرے۔

مدرسہ دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کرتے ہیں:

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا   نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

(ملاحظہ ہو قصائد قاسمی ۶)

مذکورہ بالا شعر پر غور کیجئے دار العلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدد کیلئے پکار رہے ہیں اور ان سے مدد مانگ رہے ہیں کہ یارسول اللہ آپ کے سوا قاسم نانوتوی کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے لہٰذا میری مدد فرمایئے۔
لیجئے اس مذکورہ بالا اصول کے تحت یہ بھی اسلام سے خارج ہوئے اور ان کو اپنا رہنما ماننے والے بھی دین سے بے دین ہوئے۔

مکتبہ دیوبند کی مشہور کتاب تبلیغی نصاب میں مولوی زکریا سہانپوری اس طرح عرض کرتے ہیں:

سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل　　　　اے میرے مشکل کشا فریاد ہے

غیر مقلدین اہل حدیث کے بہت بڑے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

یا سیدی یا عروتی ووسیلتی　　یا عدتی فی شدة ورخاء

اے میرے سردار اے میرے سہارے اور میرے وسیلے اے میرے سختی ونرمی کی حالت ساز وسامان۔

شفعت جاهك ضارعا متذللا　مالی وراءك صارف الضراء

میں نے نہایت عاجزی اور انکساری سے آپ کی عزت وجاہ کو شفیع بنایا

کیونکہ میرے لئے آپ کے سوا تکلیف ومصیبت کو کوئی دفع کرنے والا نہیں۔

(ملاحظہ ہو ماثر صدیقی موسوم بہ سیرت والا جاہی، صفحہ ۳۰،۳۱ قصیدہ العنبر یہ فی مدح خیر البریہ)

جو لوگ یارسول اللہ کہنے کو شرک کہتے ہیں ان کے اس اصول کے مطابق اہلحدیث مکتبہ فکر کے پیشوا مولوی صدیق حسن خان بھوپالی اور تبلیغی جماعت کے رہنما مولوی زکریا سہارنپوری بھی مشرک ہوئے جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشکل کشا اور مصیبتوں کو دور کرنے والا قرار دیا، اس طرح ان کے ماننے والے بھی بے دین ہوئے۔

مسلمانو! مذکورہ بالا اصول کے تحت کوئی علماء دیوبند اور اہلحدیث وہابی پیشوا کو مشرک کہے یا نہیں یہ اس کی سمجھ کی بات ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے علماء دیوبند اور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے مذکورہ بالا اشعار سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ حضرات بھی حضور سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدد کیلئے 'یا' کہہ کر پکارنے کو جائز سمجھتے تھے۔ اگر اس عقیدے کو جائز نہ مانا جائے تو مذکورہ بالا تمام دیوبند اور اہل حدیث علماء بھی شرک کی زد میں آجائیں گے۔ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی مخلوق سے مدد لینا کفر وشرک ہے۔ پس ان کو چاہئے کہ قرآن سے ایسی واضح دلیل پیش کریں جس میں انبیاء واولیاء سے مدد لینا صراحت کے ساتھ کفر وشرک قرار دیا گیا ہو۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں وہ ہرگز ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے تو پھر اے مسلمانو! یہ جان لو کہ ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور منشائے الٰہی کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔

اللہ نے ایسے ہی جھوٹے اور ظالم لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

فمن اظلم ممن كذب بأيت الله وصدف عنها (سورۂ انعام: ۱۷۵)

تو اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے منہ پھیرے۔

مسلمانو! اگر سچ پوچھئے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایسے لوگوں نے اپنی خواہش نفس کو خدا بنا رکھا ہے۔ ان کا آلہ نفس قرآن وحدیث کا جو مطلب ان کو سمجھا دیتا ہے یہ اسی پر ایمان لے آتے ہیں۔ اللہ کے نیک اور پرہیز گار بندے جنہیں زمانہ بزرگانِ دین کے نام سے یاد کرتا ہے جن کے دل ہوائے نفس سے پاک ہوتے ہیں جو انعمت علیھم کے مصداق ہیں ان کی پیروی کو تو یہ لوگ کفر وشرک کہتے ہیں حالانکہ بدترین پیروی جو انسان کو شرک تک پہنچا دیتی ہے اپنے نفس ہی کی پیروی ہے نہ کہ ان محبوبانِ خدا کی جن کے راستے پر چلنے کی توفیق ہر نماز میں سورہ فاتحہ میں مانگی جاتی ہے۔ انبیاء واولیاء سے مدد لینا اگر شرک ہوتا تو قرآن وحدیث میں ممانعت کا مذکور ہونا لازمی تھا جب ایسا کبھی بھی مذکور نہیں تو جائز کو ناجائز کہنے والا گمراہ اور کاذب ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

یا ایھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (سورۃ بقرہ: ۱۵۳)

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔

اس آیتِ کریمہ میں صبر ونماز سے مدد لینا اللہ ہی سے مدد لینے کے معنی میں ہیں کیونکہ صبر اور نماز اللہ نہیں بلکہ صابر اور نمازی بندے کے افعال ہیں اور بندے کے اعمال وافعال سب غیر خدا ہیں لہٰذا بندوں کا اپنے افعال سے مدد لینا بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ ایسا دعویٰ باطل ہے کہ استعانت وامداد صرف اللہ ہی کیلئے خاص ہے۔

اگر غیر خدا سے مدد طلب کرنا جائز نہ ہوتا تو دنیا کا سارا نظام باطل ہو کر رہ جاتا کیونکہ ہماری زندگی کی تمام ضروریات امداد باہمی کے اصولوں پر پوری ہوتی ہے۔ کفر وشرک کا الزام لگانے کیلئے جو لوگ یہ راہ نکالتے ہیں کہ خلافِ عادت کام میں استعانت ناجائز اور حرام ہے اور جو کام خلافِ عادت نہ ہو وہ جائز ہے ان کی یہ تقسیم بھی غلط ہے۔ خلاف عادت مدد لینا بھی جائز ہے۔ یہ میرا نہیں بلکہ قرآن کا فیصلہ ہے۔

قرآن مجید میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ملکِ یمن کی ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملنے کیلئے بیت المقدس روانہ ہوتی ہے ایک بہت بڑی فوج ہمراہ ہے سفر دو ماہ کا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے درباریوں سے مخاطب ہوتے ہیں:

ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین (سورہ نمل:۳۸)

تم میں کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہوں۔

اس آیتِ کریمہ میں ایک تخت کا ذکر ہے جو ملکہ بلقیس کے محل میں ہزار ہا افواج کے پہرے میں سات کمروں میں بند کر کے رکھا گیا ہے جو چالیس گز چوڑا، اسی گز لمبا اور تیس گز اونچا ہے۔ جس کے اطراف میں یاقوت و زمرد کے قیمتی موتی جڑے ہوئے ہیں۔ اس تخت پر بیٹھ کر ملکہ بلقیس فیصلے کیا کرتی تھی۔ اس تخت کے بارے میں ایک جن اُٹھ کر کہتا ہے:

انا اتیك بہٖ قبل ان تقوم من مقامك (سورہ نمل:۳۹)

حضور وہ تخت میں آپ کا اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی لا کر رکھ دوں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تخت اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی حاضر ہو جائے۔ اللہ کے ایک ولی حضرت آصف بن برخیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ سن کر کہنے لگے:

انا اتیك بہٖ قبل ان یرتد الیك طرفك (سورہ نمل:۴۰)

حضور میں وہ تخت پلک جھپکنے سے پہلے ہی لا دوں گا۔

غور فرمایئے! تخت کو آنِ واحد میں طویل مسافت سے منتقل کر کے بیت المقدس پہنچا دینا خلافِ عادت عمل ہے یا نہیں؟ یقیناً ہے جس پر قوی ہیکل جن بھی باوجود بے پناہ قوت کے قادر نہ ہو سکا مگر آپ قرآن کے اس سچے واقعہ کو پڑھ چکے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی خلافِ عادت کام کو اہلِ دربار سے طلب فرمایا اور ان سے مدد چاہی اور پھر اس خلافِ عادت کام کو آصف بن برخیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نامی غلام نے پورا کیا۔ از روئے ایمان بتایئے اگر مخلوق سے خلافِ عادت کام میں مدد لینا شرک ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام شرک کی زد میں آئے یا نہیں؟ فیصلہ آپ کیجئے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زندگی پر اگر غور کیا جائے تو بے شمار واقعات اس قسم کے ملیں گے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر درخواستیں پیش کیں اور خلافِ عادت اُمور میں امداد طلب کیں۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

صحابیٔ رسول حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ تہجد کے وقت اکثر حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کا پانی اور مسواک پیش کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آیا ارشاد فرمایا، سل، اے ربیعہ مانگو جو مانگنا ہے۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے:

اسئلك مرافقتك فی الجنة

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں جنت میں آپ کی خدمت گزاری کا سوال کرتا ہوں۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوا:

او غیر ذلك

اے ربیعہ اور بھی کچھ مانگ لے۔

عرض کرنے لگے:

هو ذلك یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم

اے میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس کے سوا اور کوئی حاجت نہیں۔

(ملاحظہ کیجئے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۸۴۔ مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۹۳)

اس حدیثِ پاک میں 'مانگو جو مانگنا ہے' قابلِ غور جملہ ہے جس میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ کائنات کی تمام چیزیں آپ کے ہاتھ میں ہیں جو جسے چاہیں عطا کردیں۔ اس حدیثِ پاک میں آپ نے اپنی ذات مبارکہ سے حاجت روائی کا جواز ثابت کردیا۔

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنت کا سوال کیا حالانکہ جنت کا دینا یا نہ دینا کسی کے بس اور اختیار میں نہیں جو کہ یقیناً خلافِ عادت عمل ہے اگر غیر خدا سے جنت مانگنا شرک ہوتا تو حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرک کی زد میں آئے یا نہیں؟ اور اگر یہ شرک ہوتا تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سوال سے حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک دیتے، توبہ کرا کے تجدید ایمان کراتے مگر یہاں تو رنگ ہی نرالہ ہے ارشاد فرمایا جارہا ہے 'اوغیر ذالک' اے ربیعہ اور بھی کچھ مانگ لے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو بار بار مانگنے اور اپنی ذات سے حاجت روائی کی ترغیب دے رہے ہیں مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد لینے کو شرک و کفر کہہ رہے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے آپ کی سخاوت اور جود و عطا کے بڑے چرچے سنے ہیں میں بھی آج اپنا مقصد لے کر آیا ہوں۔ آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اس نے پھر وہی بات دہرائی آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری بار عرض کیا تو دریائے رحمت جوش میں آیا اور ارشاد فرمایا، مانگو کیا مانگتے ہو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہ گمان کیا کہ یہ شخص کم از کم جنت ضرور مانگے گا مگر آنے والے اعرابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے اونٹ چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا اسے ایک اونٹ دے دو۔ سائل خوشی خوشی اونٹ لیکر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس سائل نے کم از کم وہ سوال بھی نہ کیا جو ایک بڑھیا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ ماجرا کیا ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ مصر سے نکل جائیں اور اپنے ہمراہ یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی لیتے جائیں جو کہ دریائے نیل میں کہیں مدفون تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے پوچھا کہ تابوت کہاں دفن ہے مگر ہر ایک نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ پھر کسی نے بتایا کہ دریائے نیل کے کنارے ایک بڑھیا رہتی ہے جس کی عمر پانچ سو برس سے بھی زیادہ ہے شاید اسے خبر ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بلوایا اور دریافت فرمایا۔ اس بڑھیا نے کہا مجھے اس مقام کا پتا ہے اور میرے علاوہ کوئی اور اس مقام کو نہیں جانتا مگر اسے بتانے کیلئے میری ایک شرط ہے، وہ یہ کہ مجھے جنت میں وہی مقام اور منزلت حاصل ہو جو آپ کو حاصل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ گمان تھا کہ یہ بڑھیا زیادہ سے زیادہ یہی مانگے گی کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور جنت مل جائے۔ مگر اس کا اتنا بڑا سوال سن کر آپ نے فرمایا، مائی یہ تو نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا، اگر نہیں ہوسکتا تو پھر میں وہ جگہ بھی نہیں بتاتی۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے غور فرمایا کہ ایک طرف اللہ کا حکم ہے دوسری طرف اتنی بڑی شرط۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ آپ اس سے وعدہ کرلیں اور اسکے حق میں دعا فرمائیں۔ اسے یہ مراد دینا میرا کام ہے موسیٰ علیہ السلام نے اس سے وعدہ فرمایا تو اس نے آپ کو وہ مقام دِکھایا جہاں زیرِ آب حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت دفن تھا۔

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ میں یہ جملہ مانگو کیا مانگتے ہو قابلِ غور جملہ ہے۔ جس میں یہ واضح کیا گیا ہے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسے جو چاہیں عطا کر دیں۔ اگر اعرابی اس وقت جنت کا مطالبہ بھی کرتا تو اسے دنیا ہی میں جنت کا انعام عطا کر دیا جاتا۔

محترم مسلمانو! اسی قسم کے ایک دو نہیں بے شمار واقعات صحابہ کرام کی زندگی میں ملتے ہیں جس میں صحابہ کرام اپنی حاجتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے اور حاجت روائی کے خواستگار ہوتے۔ کبھی پانی کی حاجت ہوتی تو بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر درخواست پیش کرتے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتِ مبارکہ سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے۔ کبھی بارش کیلئے التجا کرتے تو فوراً نزول باراں ہو جاتا۔ کبھی تھوڑے سے پانی کو کثیر کر دیا۔ کبھی بھوک و افلاس کے شکار صحابہ کرام غذا طلب کرتے تو دودھ کے ایک پیالے سے ستر صحابہ کو شکم سیر کر دیتے۔

صحابہ کرام نے بے شمار موقعوں پر خلاف عادت اُمور کے تحت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امداد طلب کی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اس حاجت کو پورا کیا۔ صحابہ کرام خلاف عادت امور کے تحت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاجت رائی کے طلب گار ہوتے تھے تو کیا ان کا یہ طرز عمل مشرکانہ تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاجت روائی کرنے میں بعطائے الٰہی ہرگز اللہ سے جدا نہیں اور اگر اس عقیدے کو بنیاد نہ بنایا گیا تو شرک و کفر کے باطل و فاسد نظریئے کے مطابق صحابہ کرام معاذ اللہ مشرک ہو جائیں گے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس خلاف عادت امور میں حاجت روائی کی امید لے کر جاتے تھے اور آپ سے مدد طلب کرتے۔

سب جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کوئی طبیب و حکیم کی سند نہ تھی اور نہ ہی کبھی آپ نے حکیم ہونے کا دعویٰ فرمایا مگر صحابہ کرام کی تو یہ حالت تھی کہ جوان ہو یا بڑھیا، عورت ہو یا مرد جب کبھی بیمار ہو جائے تو فوراً دربار میں حاضر ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کے سر پر دست مبارک پھیر دیتے، کسی کیلئے دعا فرمادیتے، کبھی وضو کا پانی چھڑک دیتے، آپ کے جبہ مبارک کا غسالہ حصولِ شفا کیلئے کام آتا۔

احادیث مبارکہ کا ذخیرہ اس بارے میں موجود ہے کہ صحابہ کرام معمولی تکلیف میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی طرف رجوع کرتے۔ خلافِ عادت اُمور کے تحت وہاں بدعت و گمراہی کا گزر تک نہ تھا۔ پاؤں کا سو جانا بھی کوئی تکلیف ہے۔ اہل عرب کا یہ خیال تھا کہ جب کسی کے پاؤں سن ہو جائیں تو وہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کو یاد کریں تو پاؤں اچھے ہو جائینگے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں سن ہو گیا تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ اس شخص کو یاد کریں جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہوں تو انہوں نے کہا 'یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)' تو پاؤں مبارک اچھے ہو گئے۔ (ملاحظہ کیجئے ادب المفرد، صفحہ ۱۹۳ مطبوعہ مصر۔ شرح شفاء، جلد ۲ صفحہ ۱۱۔ نسیم الریاض، جلد ۳ صفحہ ۳۹۷)

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام اس یقین کے باوجود کہ اللہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور پکارنے والوں کی پکار سنتا ہے پھر بھی وہ اپنی حاجت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے اور وسیلے سے پوری کرتے اور اپنی کامیابی کے اُمیدوار ہوتے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امداد طلب کرنا حیات ظاہری ہی میں ضروری نہیں تھا بلکہ بعدِ وصال بھی صحابہ کرام امداد طلب کرتے تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک اعرابی صحابی روضہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضر ہوا اور روضہ مبارک کی خاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے: ولو انھم اذ ظلمو میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا ہوں تو میرے ربّ سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے۔ اس پر قبر شریف سے ندا آئی تیری بخشش کی گئی۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر مدارک، جلد ا صفحہ ۲۳۴۔ جذب القلوب، صفحہ ۲۱۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط پڑ گیا تو ایک **شخص** روضہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر مدد طلب کرنے لگا رات کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوا کہ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو نماز استسقاء پڑھنے کیلئے کہو۔

بیہقی شریف میں ہے کہ خواب دیکھنے والے یہ صحابی حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

مسلمانو! غور فرمایئے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام 'یارسول اللہ' 'یا محمد' کہہ کر ندا دیتے اور امداد طلب کرتے اور یارسول اللہ پکارنے سے ان کی مشکلیں حل ہو جاتیں اور مصائب ختم ہو جاتے۔

مسلمانو! اللہ سے امداد و استعانت طلب کرنا فرض عین ہے اور جو اس کا منکر ہے وہ کافر و مرتد ہے اور انبیاء و اولیاء فرشتوں سے مدد طلب کرنا منشائے الٰہی ہے۔ یہ مقدس ہستیاں بعطائے الٰہی مدد کرتی ہیں۔ اللہ کے اذن و حکم کے بغیر کوئی حاجت روائی مشکل کشائی نہیں کر سکتا۔ اللہ نے انبیاء و اولیاء شہداء اور فرشتوں کو حاجت روا اور مددگار بنایا تو یہ برگزیدہ ہستیاں مشکل کشا ہوئیں اب جو کوئی ان کو مطلقاً مددگار نہ مانے وہ کھلا منکرِ قرآن ہے اور منکر قرآن کافر و مرتد ہے اور جو ان برگزیدہ ہستیوں کو ذاتی قدیمی اور لامحدود صفات کے تحت مددگار مانے یقیناً وہ مشرک ہے کیونکہ ذاتی قدیمی صفات اللہ کی ہیں لیکن دنیا میں ایسا کوئی مسلمان نہیں جو ایسا مشرکانہ عقیدہ رکھتا ہو اور جو محبوبانِ خدا کو عطائی اور محدود صفات کے تحت مانے بلاشبہ وہ مسلمان ہے۔

شفاعت کا بیان

شفیع کے معنی وکالت کرنے والا یا سفارش کرنے والا۔ شفیع شفاعت کرنے والے کو بھی کہتے ہیں اور سفارش ہمیشہ اپنے سے بڑے کے دربار میں کی جاتی ہے، بڑا کبھی چھوٹے سے سفارش نہیں کرتا، دنیا کا بھی یہ قانون ہے کہ ایک گورنر صدر یا وزیر اعظم سے تو سفارش کرسکتا ہے مگر صدر یا وزیر اعظم کسی معاملہ میں گورنر سے سفارش نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑا ہے اُس کی بارگاہ میں مخلوق تو سفارش کرسکتی ہے لیکن وہ کسی معاملے میں اپنی مخلوق سے سفارش کرے یہ اُس کی شان کے لائق نہیں۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ شفیع صرف اللہ ہے کوئی دوسرا نہیں، تو جاننا یہ ہے کہ اللہ سے بڑا آخر ایسا کون ہے جس کی بارگاہ میں اللہ خود سفارش کرے ایسا نظریہ رکھنا سراسر گمراہی اور بے دینی ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔ سفارشی صرف مخلوق ہوسکتی ہے وہ بھی اللہ کی عطا سے ورنہ کون ہے جو اُس مالک کون ومکاں کی بارگاہ میں سفارش کرے۔ بعض لوگوں نے اس مسئلے کو اس قدر اُلجھا کر رکھ دیا ہے کہ سیدھے سادھے مسلمان اُلجھ کر رہ جاتے ہیں اور گمراہی کی راہ اختیار کرلیتے ہیں۔ آیئے اس حقیقت کو جانیں کہ مخلوقِ خدا بروزِ محشر گناہگاروں کی سفارش کرے گی یا نہیں؟ اللہ کی بارگاہ میں کوئی شفیع ہے یا نہیں؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہٖ (سورۂ بقرہ:۲۵۵)

وہ کون ہے جو اُس کے یہاں سفارش کرے بغیر اُس کے حکم کے۔

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کرنے کی جرأت نہ ہوگی جو اس کی بارگاہ میں لب کشائی کرسکے البتہ اس بارگاہِ خداوندی میں شفاعت وہی کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اذن اور حکم دیا ہوگا۔ چونکہ مشرکین مکہ بتوں کو پوجتے تھے اور اُنہیں اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے چنانچہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں مشرکین مکہ کے باطل عقیدے کی نفی کردی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے گویا واضح طور پر ارشاد فرمایا، اے بتوں کے پجاریو! قیامت کے دن تو وہی شفاعت کرے گا جسے میری طرف سے اجازت ہوگی، تمہارے ان بتوں کو تو کوئی اجازت نہیں پھر ان سے بے کار توقع کیوں کئے بیٹھے ہو۔ اس آیتِ کریمہ میں ' الا باذنہٖ ' ارشاد فرما کر یہ واضح فرمایا جو اللہ کے محبوب اور مقرب ہیں وہ اُس کے حکم سے ضرور شفاعت کریں گے۔ سب سے پہلی شفاعت کرنے والی ذاتِ گرامی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہوگی جو اُس دن مقامِ محمود کے منصب پر ہوں گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ اور ارشاد فرماتا ہے:

لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمٰن عھدا (سورۂ مریم:۸۷)

لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنہوں نے رحمٰن کے پاس قرار رکھا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں 'لا یملکون الشفاعة' سے مراد کفار کی شفاعت کی نفی ہے یعنی کفار ومشرکین کیلئے کوئی شفاعت قبول نہیں کی جائیگی۔ جبکہ اس آیت کے آگے ارشاد فرمایا 'الا من اتخذ عند الرحمٰن عهدا' مگر وہی جنھوں نے رحمٰن کے پاس قرار رکھا ہے۔ اس سے مراد اہل ایمان کی شفاعت ہے یعنی مومنوں کے حق میں محبوبانِ خدا کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ تین دن تک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ صرف نماز پنجگانہ کیلئے تشریف لاتے اور پھر خلوت نشین ہو جاتے چوتھے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسب معمول تشریف لائے صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ تین دن تک ہم سے الگ رہے یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے میرے صحابہ فکر واندیشہ کی کوئی بات نہیں دل کو خوش کرنے والا واقعہ ہے میرے ربّ نے میرے ساتھ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میری اُمت سے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں داخل فرمائے گا میں اپنے ربّ سے تین دن تک اس تعداد میں اضافہ کی دعا کرتا رہا پس میں نے اپنے پروردگار کو بڑا عظیم اور کریم پایا اور اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار کے علاوہ ان میں سے ہر وہ شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمایا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر روح المعانی)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له (سورۂ سبا:۲۳)

اور اُس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کیلئے وہ اذن فرمائے۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کی روشنی میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت بت پرستوں کی مذمت میں نازل ہوئی جن کا یہ گمان تھا کہ اگرچہ ہمارے ان بتوں کو زمین وآسمان کی کسی چیز پر اختیار نہیں اور نہ یہ زمین وآسمان کے کسی حصے کے مالک ہیں لیکن قیامت کے دن یہ بت ہماری شفاعت کریں گے اور ہماری نجات کا ذریعہ بنیں گے۔ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں بھی ان کفار ومشرکین کے باطل نظریہ کا ردّ بلیغ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا 'ولا تنفع الشفاعة عنده' اور اُس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی یعنی قیامت کے دن ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ ہرا یرا غیرا اُس مالکِ روز جزا کی بارگاہ میں شفاعت کرے۔ اے بت پرستو! ان بتوں کی کیا مجال جو تمہاری شفاعت کریں۔ اسی آیت میں آگے ارشاد فرمایا 'الا لمن اذن له' مگر جس کیلئے وہ اذن فرمائے یعنی اُس کی بارگاہ میں وہی شفاعت کا حقدار ہوگا جسے اپنے ربّ سے شفاعت کی اجازت ملی ہوگی اور وہ انہیں کی شفاعت کرے گا جن کیلئے شفاعت کا اذن ملے گا یعنی شفاعت مومن بندوں کیلئے ہے منافقوں اور کافروں کیلئے نہیں۔ چنانچہ ربّ تعالیٰ کے جن مقبول بندوں کو شفاعت کا اذن ملے گا وہ انبیائے کرام اور اولیائے کرام ہوں گے اور یہ مقدس ہستیاں انہیں کی شفاعت کرائے گی جن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور جو دنیا سے ایمان کیساتھ رُخصت ہوئے ہونگے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

ولا یملك الذین یدعون من دونه الشفاعة الا من شهد بالحق (سورۂ زخرف:۸۶)

اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں شفاعت کا اختیار انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ مشرکین مکہ کے اس نظریہ کی نفی کی گی ہے کہ اُن کا یہ گمان تھا کہ یہ بت جن کی وہ پوجا کرتے ہیں ان کی شفاعت کریں گے اللہ تعالٰی نے مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بت پرستوں کے اس نظریے کو باطل کر دیا اور واضح طور پر ارشاد فرمادیا 'ولا یملك الذین یدعون من دونه الشفاعة' اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ اے بتوں کو پوجنے والو! اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ یہ بت تمہاری شفاعت کر دیں ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ ہر کسی کی مجال بھی نہیں جو اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کر دے۔ اسی آیت میں آگے ارشاد فرمایا 'الا من شهد بالحق' ہاں شفاعت کا اختیار انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں۔ معلوم ہوا کہ شفاعت وہی کریں گے جو حق کی گواہی دیں گے یعنی جو اہل ایمان ہونگے اور شفاعت بھی انہی کی کی جائیگی جن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور جو کفر و شرک پر مریں گے اُن کیلئے نہ کوئی شفاعت کرے گا نہ اُن کیلئے شفاعت قبول ہوگی۔

مسلم شریف میں ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہاتھ اُٹھا کر رو رو کر اُمت کے حق میں دعا مانگ رہے تھے کہ جبریل امین نے حاضر ہو کر رونے کا سبب پوچھا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اُمت کا غم رُلا رہا ہے۔ جبریل امین نے بارگاہِ خداوندی میں جا کر یہ عرض کر دیا۔ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ میرے محبوب سے کہہ دو کہ ہم آپ کو اپنی اُمت کے بارے میں راضی کر لیں گے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ (سورۃ الضحیٰ:۵)

اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، جب تک میرا ایک اُمتی دوزخ میں رہا میں راضی نہ ہوں گا۔ (تفسیر مدارک، جلد ۴ صفحہ ۳۲۲)

اللہ تعالٰی قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

قل لله الشفاعة جمیعا (سورۃ الزمر:۴۴)

کہہ دیجئے شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں اس حقیقت کو واضح کردیا گیا ہے کہ حقیقی شفاعت قبول کرنے والا اللہ ہے اور اس کی اس صفت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اس کی بارگاہ میں تو وہ شفاعت کرسکتا ہے جسے یہ حق دیا گیا ہو۔ اس آیتِ کریمہ میں جس بنیادی عقیدے کی وضاحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ شفاعت قبول کرنے کا اختیار تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اس کے اذن وحکم کے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ کوئی لب کشائی بھی کرسکے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے شفاعت کرنے کا اذن دے دیتا ہے۔

اس کے حکم کے بغیر کوئی دوسرا شفاعت نہیں کرسکتا۔ کفار ومشرکین جنہوں نے دین کو ایک کھیل سمجھ رکھا تھا۔ جن کے دلوں میں طلبِ حق کی جستجو تک نہ تھی بلکہ اُلٹا دین کا مذاق اُڑاتے، جنہیں زندگی کی عیش وعشرت نے بدمست اور مدہوش کرکے رکھ دیا تھا جن سے یہ قطعی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اسلام کی ضیاء پاشیوں سے اپنے سیاہ قلوب کو منور کرلیں گے۔ حقیقت میں ایسے کفار و مشرکین کیلئے بروزِ قیامت نہ کسی کی حمایت کام دے گی اور نہ ہی سفارش، ایسے لوگوں کیلئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فما تنفعهم شفاعة الشافعين (سورۃ المدثر:۴۸)

تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی۔

اس آیت کریمہ سے بھی واضح ہوا کہ جو کفر کی موت مرے گا اس کی کوئی شفاعت نہیں کرسکے گا پس مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ سے اس حقیقت کا پتا چلا کہ کفار ومشرکین کی شفاعت کرنے والا اور ان کی حمایت کرنے والا ہرگز کوئی نہیں ہوسکتا۔ کسی میں بھی یہ جرأت گفتار نہیں کہ وہ ان کی سفارش میں دو لفظ ہی بول سکیں۔

مسلمانو! ان تمام آیات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر شخص لب کشا اور شفاعت کی طاقت نہیں رکھتا اُس بارگاہِ عالیہ میں شفاعت صرف وہی کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ اذن اور اجازت عطا فرمائے گا بغیر اللہ کے اذن وحکم کے شفاعت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے اور باذن اللہ یعنی اللہ کی عطا سے عقیدہ رکھنا عین اسلام ہے۔

اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے اذن کے بغیر کسی کی شفاعت کردیں گے تو شرک ہے مگر جب اذنِ الٰہی کا اسلامی عقیدہ آیا تو شرک ختم...... اللہ نے اپنے مقبول بندوں کو اذن واجازت نامہ دیا ہے۔ وہ ضرور شفاعت کریں گے۔

سب سے پہلے شفاعت کرنے والے سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں پھر انبیائے کرام، اہل بیت عظام، صحابہ کرام، اولیائے عظام، حفاظ اور شہداء بھی شفاعت فرمائینگے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہر پیغمبر کیلئے ایک خاص دعا ہوتی ہے اور میں نے اپنی اُمت کی شفاعت کیلئے اپنی (خاص) دعا چھپا رکھی ہے اور یہ شفاعت اِن شاءَ اللہ اس کو نصیب ہوگی جو میری اُمت میں سے اس حال میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ اس نے کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ (ترمذی شریف، ج۲ ص ۳۴۷)

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کی شفاعت بحکمِ الٰہی فرمائیں گے۔

عسٰی ان یبعثك ربك مقاما محمودا (سورۂ بنی اسرائیل:۷۹)

قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

مذکورہ آیتِ کریمہ میں مقامِ محمود سے مراد مقامِ شفاعت کبریٰ ہے یعنی وہ مقام خاص ہے جہاں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کی شفاعت فرمائیں گے۔

کنز العمال میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آکر شفاعت طلب کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر شفاعت کیلئے بھیجے گا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بروزِ قیامت گناہگار حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک فریاد کرنے جائیں گے اور شفاعت کی بھیک مانگیں گے۔ مگر ہر جگہ سے یہی آواز آئے گی:

نفسی نفسی اذھبوا الی غیری

کسی اور کے پاس جاؤ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر تمام لوگ ہر نبی سے مایوس اور نا اُمید ہوکر میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں اور آپ معصوم عن الخطا ہیں اس لئے دربارِ خداوندی میں ہماری شفاعت کیجئے۔ آج ہم جس مصیبت اور مشکل میں مبتلا ہیں آپ دیکھ رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں پھر میں عرش الٰہی کے نیچے سجدے میں گر جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کروں گا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے سر پاک کو اُٹھا، تو سوال کر میں عطا کرتا ہوں، تو شفاعت کر میں قبول کرتا ہوں، پھر میں سجدے سے سر اُٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، اے میرے محبوب! مانگ کیا مانگنا ہے۔

میں عرض کروں گا، اے میرے ربّ میری اُمت کو بخش دے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے میرے محبوب نبی آدھی اُمت بغیر حساب کے جنت میں داخل کر لے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں پھر اپنا سر سجدے میں رکھ دوں گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، اے میرے محبوب جس کے دل میں مٹھی کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لے اور پھر ان کو نکال لیا جائے گا۔

اور پھر میں سجدہ میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا اے میرے محبوب اپنے سر کو سجدے سے اُٹھا اور تو سوال کر میں دیتا ہوں۔

تو شفاعت کر میں قبول کرتا ہوں تو پھر میں عرض کروں گا کہ یا اللہ میری اُمت کو بخش دے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لے پھر ان کو بھی نکال لیا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو ترمذی شریف، جلد۲ صفحہ ۶۶۔ مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۴۸۸)

طبرانی اور کنز العمال میں ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بشارت دی کہ اللہ نے مجھے شفاعت عطا فرمائی۔ (طبرانی شریف۔ کنز العمال شریف)

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس کے دو چھوٹے بچے مر جائیں وہ اُسے جنت میں لے جائیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی کہ اگر ایک مر جائے؟ فرمایا ایک بھی۔ عرض کی اگر کوئی نہ مرا ہو فرمایا اُس کو میں جنت میں لے جاؤں گا۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف باب البکاء علی المیت)

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ تین جماعتیں قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گی اوّل انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف باب الشفاعۃ)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بالخصوص ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت مسلمان گناہگاروں مستحق عذاب، کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے حق اور ثابت ہے۔ (ملاحظہ کیجئے فقہ اکبر)

بیہقی شریف میں ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

پیارے مسلمانو! ان احادیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کی شفاعت ضرور فرمائیں گے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعتِ عظمٰی کا تاج پہنایا جائے گا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت بارگاہِ ربّ العالمین میں قبول کی جائے گی۔ قرآن مجید میں جن کی شفاعت کی نفی کی گئی ہیں وہ مکہ کے بت ہیں جن کو مشرکین شفاعت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

ثابت ہوا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحکمِ الٰہی اُمت کی شفاعت فرمائیں گے اور بے حکم الٰہی شفاعت کا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور بعطائے الٰہی شفاعت کا عقیدہ رکھنا عین اسلام ہے جو کسی طرح شرک نہیں۔

پس جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعطائے الٰہی شفاعت کرنے والا مانتے ہیں وہ سچے مسلمان ہیں اور جو اس مطلقاً کا انکار کرتے ہیں وہ قرآن وحدیث کے منکر ہیں اور قرآن وحدیث کا منکر کھلا کافر ہے اور وہ لوگ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قدیمی، ذاتی، ابدی، لامحدود صفات کے تحت شفاعت قبول کرنے والا مانتے ہیں وہ کھلے مشرک ہیں اور ایسا عقیدہ کسی مسلمان کا نہیں۔

وسیلہ کا بیان

کسی شے کو درمیان میں ذریعہ یا واسطہ بنا کر کسی دوسرے کا قرب حاصل کرنے کو وسیلہ کہتے ہیں۔

ہر بندۂ مومن کا مقصود اور مطلوب رضائے الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہی دراصل دونوں جہان کی کامیابی اور کامرانی ہے اور اس کی ناراضگی رُسوائی اور بربادی کا سبب ہے۔

بندۂ مومن کیلئے سب سے اہم رضا وخوشنودی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ہر مسلمان چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے درمیان میں اس کی پسندیدہ شے کو ذریعہ یا واسطہ بنانے کو وسیلہ کہا جائے گا۔

بعض لوگ وسیلے کے قائل نہیں ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی وسیلے کا محتاج نہیں ہے وہ اپنے بندوں کی فریادیں اور دعائیں خود سنتا ہے وہ ہمارے دلوں کی کیفیات کو جانتا ہے اس کو کسی وسیلے یا واسطے کی ضرورت نہیں۔ وسیلہ صرف اللہ کا ہے کسی غیر خدا کو وسیلہ بنانا شرک اور کفر ہے۔

مسلمانو! یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہر انسان کی دِلی کیفیات کو جانتا ہے اس سے کچھ پوشیدہ نہیں وہ ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے وہ کسی وسیلے یا واسطے کا محتاج نہیں ہے وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب ہم عالمِ کائنات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نظامِ کائنات کو چلانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو مخلوق کا وسیلہ بنایا۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو زمین سے مٹی لانے کا حکم دیا۔ اگر اللہ چاہتا تو حضرت جبریل امین کو زمین پر بھیجے بغیر بھی حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے تخلیق فرما دیتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک اور روایت کے مطابق حضرت عزرائیل علیہ السلام کو درمیان میں وسیلہ بنایا جس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق کا آغاز ہی وسیلے سے ہوا۔

ہر مسلمان اس حقیقت کو جانتا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہی ہمارا رازق اور وہی ہمیں زندگی عطا فرماتا ہے۔ جب اللہ ہمیں روزی دینے والا ہے تو ذرا بتایئے ہمارے منہ میں لقمہ کون دیتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ ہمارے منہ میں لقمہ ڈالتا ہے؟ ہمارے منہ میں آنے والا لقمہ کیا بغیر وسیلے کے آسکتا ہے۔ ذرا ایک انسان کی زندگی پر ہی غور کر لیجئے جب یہ سوچتا ہے تو دماغ کو وسیلہ بناتا ہے، دیکھتا ہے تو آنکھ کو، کام کرتا ہے تو ہاتھوں کو، چلتا ہے تو پاؤں کو، بولتا ہے تو زبان کو وسیلہ بناتا ہے۔ جب انسان عالمِ دنیا میں آتا ہے تو اپنی پرورش کیلئے ماں باپ کو وسیلہ بناتا ہے۔ زندگی بچانے کیلئے ہوا اور پانی کو وسیلہ بناتا ہے۔ ذرا بتایئے کہ وسائل اور اسباب کے یہ سارے ذرائع کیا خدا ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ سب غیر خدا ہیں۔ اگر اللہ ہی کو وسیلہ مان لیا جائے اور غیر خدا کو

وسیلہ نہ بنایا جائے تو پھر عالم اسباب کے ان تمام ذرائع کو ختم کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ سب غیر خدا ہیں۔ ذرا بتایئے کیا ایسا ممکن ہے کہ بغیر وسیلے کے رزق منہ میں آجائے۔ بغیر دماغ کے انسان سوچے، بغیر ہاتھوں کے انسان کام کرے، بغیر پاؤں کے انسان منزل پر پہنچے، بغیر آنکھ کے انسان دیکھے، بغیر زبان کے بولے ان تمام ذرائع کو وسیلہ نہ بنائے۔ کیا ان وسائل کو ختم کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہاں بغیر وسیلے کے کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ جو کسی وسیلے کا محتاج نہیں اسی رب نے نظام کائنات کو چلانے کیلئے ذرائع پیدا فرمائے۔ جب اللہ تعالیٰ کا منشاء ہی یہ ہے کہ وسیلہ اختیار کرو، ذرائع تلاش کرو تو پھر اس کا انکار کیوں؟ وسیلہ تلاش کرنا منشائے الٰہی ہے جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ وسیلے کے جواز پر قرآن مجید سے پہلا ثبوت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عرب میں ایک جماعت رہا کرتی تھی جو جنات کے ایک گروہ کی پوجا کرتی تھی۔ شانِ الٰہی دیکھئے کہ جنات کو اللہ نے توفیق بخشی اور وہ مسلمان ہوگئے اور ان کے پجاریوں کو خبر نہ ہوئی۔ مسلمان ہونے کے بعد جنات کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اللہ کا قرب پانے کی غرض سے بارگاہِ ربّ العالمین میں نیک پرہیزگار اور عبادت گزار بندوں کا وسیلہ ڈھونڈھنے لگے اس حقیقت کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اولئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب (سورۂ بنی اسرائیل:۵۷)

وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے ربّ کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔

مذکورہ آیتِ مقدسہ کے بارے میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں فرماتے ہیں جن کو کافر پوجتے ہیں وہ تو آپ ہی اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے تاکہ اس کا وسیلہ پکڑیں اور وسیلہ سب کا پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے آخرت میں ان ہی کی شفاعت ہوگی۔

پس مذکورہ آیتِ کریمہ سے واضح ہوا کہ اللہ کے نیک پرہیزگار اور مومن بندے ہمیشہ اللہ کے مقرب بندوں کا وسیلہ اختیار کرتے رہے ہیں۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے مذکورہ بالا قول سے یہ واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مخلوق میں سب سے بڑا وسیلہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ آپ اللہ کے سب سے محبوب نبی ہیں۔ آپ باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں لہٰذا آپ کا وسیلہ ہر دور میں اہل ایمان اختیار کرتے رہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے تین دور ہیں۔

۱......دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بحیثیتِ نور کا دورِ حیات۔

۲......دنیا میں تریسٹھ سالہ لباسِ بشری میں ظاہری حیات۔

۳......انتقال فرمانے کے بعد قیامت تک برزخی حیات۔

اس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے تین مختلف دور ہوئے۔ اگر تعصب کی عینک آنکھوں سے اُتار کر حضور کے ان تینوں دور کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سورج کی طرح روشن نظر آئے گی کہ آپ کا ہر دور میں وسیلہ اختیار کیا گیا اور محبوبانِ خدا نے اللہ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کیا۔ جس کا ثبوت حسبِ ذیل دلائل سے ملاحظہ کیجئے۔

پہلا دور

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نور ابھی لباسِ بشری میں دنیا میں جلوہ گر نہیں ہوا تھا کہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہوگئی۔ لہٰذا آپ جنت سے دنیا میں بھیج دیے گئے اور ندامت اور شرم کے مارے آسمان پر نظر اُٹھانا چھوڑ دیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش واقع ہوئی تو آپ نے اپنا سر انور اوپر اُٹھایا اور اللہ بارگاہ میں عرض کیا: اسئلك بحق محمد الا غفرت لی اے پروردگار محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وسیلے سے مجھے معاف فرمادے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا، محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کون؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنا سر اُٹھا کر تیرے عرش کو دیکھا تو اس میں لکھا ہوا نظر آیا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو میں نے یقین کرلیا کہ محمد (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کوئی تیری بڑی معظم اور محبوب ہستی ہیں جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھ رکھا ہے۔ **اللہ تعالیٰ** نے ارشاد فرمایا، اے آدم (علیہ السلام) وہ تیری اولاد میں سے سب نبیوں سے آخری نبی ہیں اور اس کی اُمت تیری اولاد میں سے سب اُمتوں سے آخری اُمت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے تو اے آدم تو بھی نہ ہوتا۔

(ملاحظہ کیجئے طبرانی شریف، جلد ۲ صفحہ ۸۲، ۸۳۔ مستدرک، جلد ۲ صفحہ ۶۱۵۔ مواہب لدنیہ، جلد ۱ صفحہ ۱۲)

معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے بہت پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کیا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنے قصیدہ نعمانیہ میں اس حقیقت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

انت الذی ما توسل آدم من زلۃ بک فاز وھو اباک

اے اللہ کے رسول! آپ کی شان وہ ہے کہ سیّدنا آدم علیہ السلام نے آپ کو اپنی لغزش کی مغفرت کا وسیلہ بنایا۔

حالانکہ وہ (ظاہراً) آپ کے والد ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنے قصیدے میں مزید اس طرح فرماتے ہیں:

وکذاک موسی لم یزل متوسلا بک فی القیامۃ یحتمی بحماک

اے اللہ کے رسول! حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہمیشہ آپ کا وسیلہ پکڑتے رہے ہیں

اور قیامت میں بھی وہ آپ کی حمایت کے طلبگار ہوں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے جتنی اُمتیں تھیں ان کا یہ دستور تھا کہ دشمنوں پر کامیابی میرے رسول کے واسطے سے مانگا کرتی تھیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے یہ واضح ہوا کہ یہودی قوم حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے اپنے دشمنوں یعنی کافروں پر کامیابی کیلئے اللہ سے دعا کرتے تھے۔ چنانچہ بنی اسرائیل اپنی حاجات کیلئے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ لے کر اس طرح دعا مانگا کرتے۔

اللھم افتح علینا وانصرنا بالنبی الامی

یا ربّ ہمیں نبی امی کے وسیلے سے فتح ونصرت عطا فرما۔

کوئی اس طرح دعا کرتا:

اللھم انا نستنصرك بالنبی الامی ان تنصرنا علیھم

اے اللہ تجھ سے ہم نصرت طلب کر رہے ہیں اس نبی امی کے واسطے سے تو ہمیں ان کافروں پر غالب فرمادے۔

مسلمانو! جب سرکارِ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لباسِ بشری میں تشریف لائے تو اس یہودی قوم کو دینِ اسلام کی دعوت دی تو یہی وسیلے سے دعا مانگنے والی قوم آپ کی منکر ہوگئی اس حقیقت کی وضاحت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

سلمہ ابن قیس فرماتے ہیں کہ ہمارے محلے میں ایک یہودی رہتا تھا میں اس زمانے میں کمسن تھا، ایک دن ہمارے یہاں ایک محفل تھی وہاں وہ یہودی بھی آگیا اور پکار پکار کر کہنے لگا اے بت پرستو! کیا تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ ہم سب نے کہا تو ہی بتا۔ وہ بولا پھر سب کو زندگی ملے گی، اعمال کا حساب ہوگا، میزان قائم ہوگا، دوزخ ظاہر ہوگی اور ہر ایک کو اعمال کے موافق سزا اور جزا ملے گی۔ ہم سب نے کہا کہ یہ تو بڑی بعید بات ہے یعنی یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ وہ بولا خدا کی قسم یہ ضرور ہوگا۔ سب نے کہا تیری دلیل کیا ہے اس نے کہا میری دلیل وہ آخرالزماں پیغمبر ہے جو مکہ اور یمن سے ظاہر ہوگا وہ میرے کلام کی تصدیق کرے گا ہم نے کہا وہ کب ظاہر ہوگا اس نے مجلس کے دائیں بائیں دیکھا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر اس نوجوان کی عمر بڑھی تو یہ اس نبی کا زمانہ پالے گا۔

سلمہ ابن قیس فرماتے ہیں کہ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر مشہور ہوگئی اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ہم سب مسلمان ہوگئے ہم نے اس یہودی کو دیکھا وہ کافر ہی رہا اور حسد کرتا رہا ہم نے اس سے کہا تجھے کیا ہوگیا کہ ان کا منکر ہے کیا تجھے اپنی وہ بات یاد نہیں جو تو نے ہم سے کہی تھی وہ بولا یاد تو ہے مگر یہ وہ نبی نہیں۔ مذکورہ بالا حقیقت سے پتا چلا کہ بنی اسرائیل قوم کے بعض لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کے بعد ان کے منکر ہوگئے۔اس حقیقت کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم

ما عرفوا کفروا بہٖ فلعنۃ اللہ علی الکٰفرین (سورۃ البقرہ:۸۹)

اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے

تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔

قرآن مجید کی اس چمکتی ہوئی آیت سے معلوم ہوا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت سے بھی پہلے یہود اپنی حاجات کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کے وسیلے سے دعا کرتے تھے جس سے اس حقیقت کا پتا چلا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی آپ کی تشریف آوری کا شہرہ تھا اس وقت بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔

ان دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے سابقہ انبیاء اور ان کے ماننے والوں نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا اور اپنی کامیابی کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے۔اب آیئے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوسرے دور کا جائزہ لیتے ہیں کہ آپ کے اس مقدس دورِ حیات میں صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ کا وسیلہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کرتے تھے یا نہیں؟

دوسرا دور

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حیات پاک کا دوسرا وہ دور ہے جب آپ لباسِ بشری میں دنیا میں تریسٹھ سال تک جلوہ فرما رہے۔ آپ کے اس دورِ حیات میں صحابہ کرام آپ کا وسیلہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا کرتے تھے اور ہر دُکھ تکلیف میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ جان کر اللہ کی حمایت حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآءوك فاستغفروا اللّٰه

واستغفرلهم الرسول لوجدوا اللّٰه توابا رحيما (سورۂ نساء:۶۵)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں

اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

غور فرمایئے مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں اللہ نے کتنا واضح دوٹوک ضابطہ اصول متعین فرمایا کہ اے لوگو! بیشک میں معاف کرنے والا غفور ورحیم ہوں مگر میں اس وقت معاف کروں گا جب تم پہلے میرے محبوب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو وسیلہ بناؤ گے اور ان کی ذاتِ عالیہ کو وسیلہ بنا کر رضا مندی بھی حاصل کرو اگر وہ تمہاری شفاعت فرمادیں گے تو بے شک میں تمہارے بڑے سے بڑے گناہ بھی معاف کردوں گا۔

قرآن مجید کا یہ حکم عام ہے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا اُمتی قیامت تک اس حکم پر عمل کرکے اور حضور کو وسیلہ بنا کر اللہ سے اپنے گناہوں سے توبہ کرسکتا ہے۔ یہاں بعض حضرات کے ذہن میں یہ خیال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ حکم تو اُس وقت کیلئے تھا جب حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس دنیا میں ظاہری طور پر جلوہ فرما تھے اور صحابہ حضور کے دربار میں شفاعت کیلئے حاضر ہوجایا کرتے تھے لیکن حضور کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب گنہگار اُمتیوں کو حضور کے وسیلے کی ضرورت نہیں۔

مسلمانو! علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح صحابہ کرام حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں اپنی شفاعت کیلئے حاضر ہو جایا کرتے تھے اسی طرح حضور کے وصال کے بعد حضور کی قبرِ انور کے پاس حاضر ہو جانا بھی بالکل ایسا ہی جیسا کہ ظاہری حیات میں حاضر ہونا۔ جو مسلمان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہو گیا گویا اُس نے قرآن کے حکم پر عمل کر لیا اور جو مسلمان مدینہ منورہ سے دور ہیں غربت اور مفلسی کی وجہ سے روضہ مبارک پر حاضر نہیں ہو سکتے اُس کی آسان صورت علماء نے یہ بتائی ہے کہ وہ دنیا کے جس کونے میں ہوں وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے وقت حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ بنائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ مقدسہ میں یہ عرض کرے اے پروردگار! میں تیرے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا کر اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوں تو مجھے معاف کر دے۔ جیسے ہی کسی نے حضور کو وسیلہ بنایا گویا اُس نے بھی حکمِ الٰہی پر عمل کر لیا اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کے وسیلے سے گناہگار بندوں پر اپنی رحمت کی بارش برسا دیتا ہے۔ کوئی مسلمان حضور کو اپنے سے دور نہ سمجھے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم (سورۂ احزاب:٦)

نبی مومنین کی جان سے زیادہ قریب ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مومنین کی جان سے زیادہ قریب ہیں۔ لہٰذا حضور کو اپنے سے دور ہرگز نہ سمجھیں۔ دور و نزدیک کا فرق ہمارے لئے ہے حضور کیلئے نہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں ایک نکتہ یہ بھی ملتا ہے کہ مغفرت کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے مگر حکم حضور کے روضہ پر حاضر ہونے کا دیا جا رہا ہے۔ نفسوں پر ظلم ہم کرتے ہیں مثلاً نماز نہیں پڑھی نفس پر ظلم کیا، روزہ نہیں رکھا نفس پر ظلم کیا، حج نہیں کیا نفس پر ظلم کیا، زکوٰۃ ادا نہیں کی نفس پر ظلم کیا، چوری کی، جھوٹ بولا، ڈاکے ڈالے، قتل و غارت گری کی نفس پر ظلم کیا۔ ذرا سوچئے کہ اپنے نفسوں پر ظلم ہم کر رہے ہیں، مجرم ہم اللہ کے ہیں، گناہگار ہم اللہ کے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری بخشش کا ایک راستہ بتا دیا۔ اے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والو! بے شک تم میرے مجرم ہو اگر تم مغفرت چاہتے ہو اور میرے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو میرے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ ان سے اپنے حق میں شفاعت کی بھیک مانگو ان کو وسیلہ بناؤ اور میرا محبوب نبی بھی تمہارے حق میں دعا کرے تو پھر تمہارے سارے گناہ ختم کر دیئے جائیں گے۔ رسول سے اپنا تعلق اتنا مضبوط کر لو ادھر تمہارے ہاتھ دعا کیلئے اُٹھیں ادھر میرا محبوب تمہارے حق میں دعا کرے۔

صحابیٔ رسول حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص رازدار تھے۔ جنگِ خندق کے بعد جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام دشمن قبیلہ بنو قریظہ کا محاصرہ فرمایا تو یہودیوں نے تنگ آ کر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں تا کہ ہم ان سے مشورہ کر کے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانے سے پہلے یہودیوں سے بڑا گہرا دوستانہ تعلق تھا۔ ابولبابہ کی کچھ جائیداد اور کچھ رشتہ دار بھی اسی قلعے میں تھے جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابولبابہ کو اپنا رازدار بنا کر اس قلعے میں بھیجا تو قلعہ کے یہودی ان کو دیکھ کر رونے لگے اور گڑگڑا کر کہنے لگے، کیا ہم پیغمبرِ اسلام کے کہنے پر قلعہ کا دروازہ کھول دیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ ابولبابہ کو اپنا رازدار بنا کر ان یہودیوں کے بارے میں یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے بدترین دشمن ہیں لہٰذا ان کی سزا قتل کے سوا اور کچھ نہیں۔

جب یہودی حضرت ابولبابہ کے سامنے رونے لگے تو انہیں پرانی دوستی کی وجہ سے ترس آ گیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا راز ان کے سامنے فاش کر دیا کہ حضور نے تمہارے بارے میں قتل کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ابولبابہ نے ادھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خفیہ راز کو فاش کیا ادھر اللہ تعالیٰ کا غیض و غضب سے بھرا ہوا فرمان آیاتِ قرآنی کی شکل میں ان کے خلاف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا:

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تخونوا اللّٰہ والرسول و تخونوا اماناتکم وانتم تعلمون (سورۃ انفال: ۲۷)

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے دغا مت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ طور پر خیانت کرو۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا ہے کہ مجھے میرے ضمیر نے جھنجھوڑا کہ بے شک میں نے اللہ اور اس کے رسول کی امانت میں خیانت کی اور اللہ اور اس کے رسول کیساتھ دغا کر کے میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ اس گناہِ عظیم کے تصور سے نادم ہو کر مدینہ منورہ کی طرف بھاگ گئے اور مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے اپنے آپ کو ایک مضبوط رسی سے باندھ لیا اور قسم کھائی جب تک رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رحمت بھرے ہاتھوں سے مجھے نہیں کھولیں گے خدا کی قسم نہ میں کچھ کھاؤں گا اور نہ ہی کچھ پیئوں گا۔ چنانچہ حضرت ابولبابہ چھ دن اور چھ رات تک اسی ستون سے بندھے رہے۔ نمازوں کے اوقات اور دیگر ضروری حاجات کے وقت آپ کی بیوی آپ کو کھول دیا کرتی اور پھر باندھ دیتی۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے آپ کی آنکھوں کی روشنی اور قوتِ سماعت بھی کم ہوتی گئی ابھی آپ کی آزمائش کا یہ کڑا امتحان جاری تھا کہ ایک رات حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی اور تبسم فرمایا۔ بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اللہ آپ کے دانتوں کو ہمیشہ ہنستا رکھے بھلا اس وقت آپ کو کیوں ہنسی آئی؟ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے ام سلمہ! میں اس خوشی میں ہنس رہا ہوں کہ

ابولبابہ کی توبہ بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوگئی اور یہ آیت ابھی ابھی نازل ہوئی ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

یا ایھا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا ویکفر عنکم سیاٰتکم ویغفرلکم واللہ ذو الفضل العظیم (سورۂ انفال:۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں وہ چیز عطا فرمادے گا جس سے تم حق کو باطل سے جدا کرلو گے اور تمہاری برائیوں کو تم سے اتار دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہ سن کر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش ہوئیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اگر اجازت ہو تو میں ابولبابہ کو خوشخبری سنادوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سنادو۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حجرے کی چوکھٹ پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے فرمایا اے ابولبابہ تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔ حضرت ام سلمہ کا پکارنا تھا کہ لوگ گھروں سے نکل کر مسجدِ نبوی کی طرف دوڑ پڑے۔ حضرت ابولبابہ جو بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے نڈھال ہوچکے تھے بھرائی ہوئی آواز میں فرمانے لگے خبردار مجھے ہرگز کوئی نہ کھولے۔ خدا کی قسم جب تک اللہ کا محبوب نبی اپنے مبارک ہاتھوں سے مجھے نہیں کھولیں گے میرے مجرم اور گناہگار دِل کو تسلی ہرگز نہیں آئے گی۔ یہ سن کر لوگ دور ہٹ گئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ نبی محترم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد تشریف لائے اور تبسم فرماکر مسکرانے لگے اور اپنے دستِ مبارک سے رسیوں کو کھول دیا۔

غور فرمایئے اس تاریخی اور ایمان افروز واقعہ میں صحابیٔ رسول حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک نافرمانی ہوئی جس کی انہیں یہ سزا ملی کہ قرآنی آیات ان کی مذمت میں نازل ہوئی پھر وہ اپنے گناہ کو بخشوانے کیلئے قلعہ سے فرار ہوئے۔ وہ اپنی اس غلطی کی معافی اللہ سے قلعہ ہی میں مانگ لیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی خانہ کعبہ گئے اور غلافِ کعبہ پکڑ کر اپنی اس غلطی پر معافی مانگتے بلکہ فوراً مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور خود کو مسجدِ نبوی کے ستون سے باندھ لیا۔ کیونکہ وہ صحابی تھے جانتے تھے گناہ معاف ہونے کی پہلی شرط یہی ہے کہ دربارِ رسالت میں حاضر ہو جاؤ تاکہ حضور اپنے اُمتی کے عمل کو دیکھتے رہیں حتیٰ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحم آجائے۔ اگر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کرم فرمادیا تو خدا کی کبریائی کو بھی رحم آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انہوں نے دربارِ رسالت میں حاضر ہوکر اور قرآن کی پہلی شرط پر عمل کیا۔ حضور نے تبسم فرمایا اور اللہ نے انہیں معاف فرمادیا۔

صحابیٔ رسول حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری بینائی بحال کردے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تجھے اسی حال پر نہ رکھا جائے تمہارے لئے اسی میں بہتری ہے۔

اس شخص نے عرض کی بینائی چلی جانے سے مجھے سخت تکلیف ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد اس طرح دعا کرو۔

اللھم انی اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمّد نبی الرحمة يا محمد انی قد توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللھم فشفعه فی

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور توسل کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ذریعے سے جو نبی رحمت ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں آپ کے ذریعے سے متوجہ ہوتا ہوں اپنے ربّ کی طرف اس حاجت میں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اس کے بعد وہ شخص اس حالت میں واپس آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی بینائی لوٹا دی تھی۔ (ترمذی شریف)

غور فرمایئے اس حدیثِ مبارکہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ بخوبی ثابت ہے۔ وسیلے کی تعلیم دینے والا اللہ کا نبی اور وسیلے کی تعلیم لینے والا حضور کا صحابی۔ کیا نبی اپنے صحابی کو شرک کی تعلیم دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ وفادار عاشق زار اور جانثار فدائی ہیں کہ جنہیں شمع نبوت کا پروانہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ان سب کو جو کچھ بھی مقام و مرتبہ ملا حضور ہی کے وسیلہ جلیلہ سے ملا جن پر رحمتِ الٰہی بارانِ کرم کی بارش کی طرح برستی رہی انہیں جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے جس کا اندازہ حسبِ ذیل واقعات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

صحابیٔ رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں آپ سے بہت کچھ سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنی چادر پھیلا۔ میں نے پھیلا دی تو آپ نے مٹھی بھر بھر کر اس میں ڈال دیئے اور فرمایا اسے سینے سے لگالے۔ میں نے ایسا ہی کیا، پس میں اس کے بعد کبھی نہیں بھولا۔ (ملاحظہ کیجئے بخاری شریف و مسلم شریف)

اس حدیث میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خالی ہاتھ سے کپڑے میں کچھ ڈالا جس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حافظہ اس قدر قوی ہوگیا کہ پھر کبھی کوئی بات نہ بھولی۔

ایک مرتبہ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی اُنہوں نے اسی وقت گرم گرم اپنے عمامے سے باندھ لی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوگئے اور اپنا حال عرض کردیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا پاؤں لاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عتیک فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا۔ حضور نے اُس پر اپنا ہاتھ پھیر دیا آپ کے ہاتھ پھیرتے ہی میری پنڈلی ایسی دُرست ہوگئی کہ گویا وہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔ (ملاحظہ کیجئے بخاری شریف، جلد۲ صفحہ ۵۷۷)

حضرت شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کے ہاتھ پر رسولی تھی اور کئی علاج کئے مگر افاقہ نہ ہوا۔ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس صحابی کی رسولی پر رکھا اور ہاتھ کو چکر دیا تو رسولی فوراً غائب ہوگئی اور ہاتھ اچھا ہوگیا۔ (ملاحظہ کیجئے تواریخ حبیب الٰہ، صفحہ ۱۴۰)

حضرت اسماء بنتِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن پر وَرم تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اُن کی گردن پر پھیرا تو ورم ختم ہوگیا۔ (حوالہ خصائص الکبریٰ، جلد۲ صفحہ ۷۰)

غزوۂ خیبر میں حضرت سلمیٰ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا وہ فوراً ہی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئے۔ آپ نے اُن کے زخم پر تین مرتبہ دم کیا پھر اُنہیں درد کی کوئی شکایت محسوس نہ ہوئی صرف زخم کا نشان رہ گیا تھا۔ (بخاری، ج۲ ص ۶۰۵)

جنگِ اُحد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ میں تیر لگا جس سے اُن کی آنکھ اُن کے رُخسار پر بہہ کر آگئی یہ دوڑ کر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپ نے فوراً ہی اپنے دستِ مبارکہ سے ان کی بہی ہوئی آنکھ کو حلقے میں رکھ کر اپنا مقدس ہاتھ اُس پر پھیر دیا تو اُسی وقت اُن کی آنکھ اچھی ہوگئی اور یہ آنکھ اُن کی دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور روشن ہوگئی۔ (بیہقی شریف)

ان حقائق سے یہ واضح ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہر تکلیف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ سمجھتے تھے اور وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت حضور ہی کے وسیلے سے حاصل ہوتی ہے۔

تیسرا دور

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات پاک کا تیسرا دور آپ کے وصال کے بعد شروع ہوتا ہے جو قیامت تک جاری ہے۔ آپ کے بعد چونکہ کوئی دوسرا نبی قیامت تک نہیں آسکتا لہٰذا مسلمان قیامت تک آپ ہی کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے رہیں گے اور آپ کے طفیل اولیائے کرام کا وسیلہ بھی اختیار کرتے رہیں گے۔ آیئے سب سے پہلے قرآن مجید سے وسیلے کا ثبوت حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ (سورۃ المائدہ:۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ سے ڈرنے اور وسیلہ اختیار کرنے کا ذکر موجود ہے۔ اللہ سے ڈرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو نیک اور صالح اعمال کرو نماز روزے اور دیگر فرائض وواجبات کی ادائیگی کا حق ادا کرو گناہوں سے بچتے رہو یہی معنی اللہ سے ڈرنے کا ہے۔

اعتراض

جیسا کہ شروع میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی وسیلے کا محتاج نہیں وہ ہماری شہ رگ سے قریب ہے وہ اپنے بندوں کی فریادیں اور دعائیں بغیر کسی وسیلے اور واسطے کے سنتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں بھی کسی غیر خدا کو وسیلہ بنانا جائز نہیں وسیلہ صرف اللہ کا ہے، غیر اللہ کا وسیلہ بنانا شرک اور کفر ہے۔ البتہ اپنے اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر نیک اعمال کو وسیلہ بناسکتے ہیں۔

مسلمانو! یہ دور فتنوں کا دور ہے طرح طرح کے فتنے سر اُٹھا رہے ہیں جو سیدھے سادھے مسلمانوں کو آئے دن گمراہ کر رہے ہیں اور ایسی واضح دلیل کو پیچیدہ بنا رہے ہیں کہ جن کو سمجھنے کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں اگر فتنوں کا زور اسی طرح ترقی کرتا گیا تو کہیں وہ وقت نہ آجائے کہ دن کے اُجالے میں دن کو سمجھانے کیلئے کسی کو دلیل دینی پڑے، رات کی سیاہ تاریکی میں کسی کو رات کی موجودگی پر دلیل دینا پڑے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ آگ میں حرارت ہے اور کوئی عقل کا اندھا یہ کہے کہ حرارت کی دلیل دو اور اُسے بھی دلیل دینی پڑے۔ کیسی عجیب باتیں ہیں کہ جن کو ماننے کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں بدنصیبی سے آج اُس کیلئے بھی دلیل مانگی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ بھی وسیلے کے جواز پر نصِ قطعی کا ایسا درجہ رکھتی ہے کہ جس کیلئے کسی دلیل کی

ضرورت نہیں۔ اس آیتِ مبارکہ سے وسیلے کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ مانا کہ اللہ تعالیٰ کسی وسیلے کا محتاج نہیں لیکن اُسی ربّ نے یہ قانون بنایا کہ وسیلہ اختیار کرو۔ اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اپنے اعمال کو وسیلہ بناؤ یعنی نماز کو وسیلہ بناؤ، حج و زکوٰۃ کو وسیلہ بناؤ، روزہ اور خیرات کو وسیلہ بناؤ، نیک اعمال کو وسیلہ بناؤ جو لوگ ان کو وسیلہ بناتے ہیں بناتے رہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ تمام نیک اعمال غیر خدا ہی ہیں اگر کوئی نماز کو وسیلہ بناتا ہے تو نماز خدا نہیں۔ اگر کوئی حج کو وسیلہ بناتا ہے تو حج خدا نہیں۔ اگر کوئی روزہ اور زکوٰۃ کو وسیلہ بناتا ہے تو یہ دونوں خدا نہیں۔ کسی اور نیک اعمال کو وسیلہ بناتا ہے تو وہ بھی خدا نہیں۔ کسی انسان کو وسیلہ بنایا تو وہ بھی خدا نہیں۔ کسی پیر کو وسیلہ بنایا تو وہ بھی خدا نہیں۔ کسی ولی یا نبی کو وسیلہ بنایا تو وہ بھی خدا نہیں۔ اپنی سمجھ کے مطابق انسان جسے چاہے وسیلہ بنائے مگر وسیلہ غیر خدا ہی ہوگا۔ اگر کوئی کہے کہ وسیلے سے مراد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہے، کوئی کہے کہ وسیلے سے مراد نیک اعمال ہیں، کوئی کہے وسیلے سے مراد اولیائے کرام ہیں اور کوئی یہ کہے کہ وسیلے سے مراد حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ خواہ کوئی کچھ ہی کہتا ہو، کہنے دیجئے مگر یہ حقیقت ہے کہ وسیلے سے مراد اعمالِ صالحہ ہو یا اسلام اولیائے کرام ہوں یا انبیائے کرام جس کو بھی آپ وسیلہ بنائیں سب غیر خدا ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ غیر خدا کو وسیلہ بنانا جائز نہیں تو پھر مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کا کیا ترجمہ کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

اس آیت میں اللہ سے ڈرنے کا مطلب تقویٰ پرہیزگاری اختیار کرنا اور اعمالِ صالحہ کرنا ہے اور وسیلے سے مراد اعمالِ صالحہ کی تعلیم دینے والا ہے۔ بتایئے وہ نیک عمل سکھانے والی ہستی کون سی ہے یقیناً وہ عظیم ہستی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ کی ذات گرامی کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بناتے رہے جس کا اندازہ حسبِ ذیل واقعات سے لگا سکتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے تین دن بعد ایک اعرابی (صحابی) آیا اور قبرانور پر حاضر ہو کر اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا اور یوں عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ نے جو کلامِ الٰہی ہمیں عطا فرمایا اُس میں یہ آیت بھی ہے: (ترجمہ) 'اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں'۔

وہ اعرابی صحابی مزید عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اب میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ میری شفاعت فرمائیں۔ چنانچہ قبرانور سے آواز آئی کہ اے اعرابی تجھے بخش دیا گیا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر مدارک، التنزیل، تفسیر قرطبی، جلد ۵ صفحہ ۲۶۵)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں کسی کام سے جاتا تھا مگر آپ مصروفیت کی وجہ سے توجہ نہیں کرتے تھے لہٰذا وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور شکایت کی کہ حضرت عثمان غنی توجہ نہیں فرماتے۔ حضرت عثمان بن حنیف نے اُس شخص سے فرمایا تو وضو کر اور دو رکعت نفل نماز پڑھ اور پھر اس طرح دعا کر...... اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور توسل کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ذریعے سے جو نبیٔ رحمت ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں آپکے ذریعے سے متوجہ ہوتا ہوں اپنے ربّ کی طرف اس حاجت میں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو اے اللہ ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اس دعا کے بعد اپنی حاجت کا ذکر کرو پھر میرے پاس آنا میں تمہارے ساتھ حضرت عثمان غنی کے پاس چلونگا۔ چنانچہ اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف کے حکم پر عمل کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا پہنچا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھایا اور پوچھا کہ تیرا کیا کام ہے؟ اُس شخص نے اپنا مقصد بیان کیا۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ مقصد پورا کر دیا اور فرمایا تمہارا کام مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا یہاں تک کہ یہ وقت آ گیا پھر فرمایا تمہارا جو کام بھی ہو ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ پھر وہ شخص وہاں سے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے اُن سے میرے متعلق بات کی اور انہوں نے توجہ کی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے تو اُن سے کوئی گفتگو نہیں کی پھر اُس نابینا کا واقعہ بیان فرمایا جس کی بینائی اسی دعا کی برکت سے بحال ہوگئی تھی۔ (ملاحظہ کیجئے معجم صغیر، صفحہ ۱۰۳ امام طبرانی شفاء السقام، امام سبکی)

ذرا غور کیجئے جب اُس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کیا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ آپ نے میرے بارے میں امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سفارش کی ہے تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس شخص کے خیال کو غلط ظاہر فرمایا اور اُس کی کامیابی کا راز اُس عمل سے بتایا جس عمل کو کر کے ایک نابینا صحابی کی آنکھیں روشن ہوگئی تھیں تا کہ اُس شخص پر یہ واضح ہو جائے کہ اُن کی یہ حاجت میری سفارش سے نہیں ہوئی بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرنے اور اُن کو یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پکارنے سے ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو قحط کا سامنا ہوا جب قحط سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو صحابہ کرام اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پہنچے اور اپنی پریشانی بیان کی۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ روضہ اقدس کی چھت میں سوراخ کردو تا کہ حضور کی قبر انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو زبردست بارش ہوئی یہاں تک کہ ہر طرف سبزہ اُگ آیا اور چارہ کھا کھا کر جانور موٹے ہو گئے اور اُن کے جسم چربی سے بھر گئے۔ (ملاحظہ کیجئے مشکوٰۃ باب الکرامات، سنن دارمی، جلد ا صفحہ ۴۳)

غور فرمایئے یہ بارش کرانے کا کون سا طریقہ ہے نہ نماز استسقاء نہ خدا کی بارگاہ میں استغفار مگر اُم المومنین جو زبردست محدثہ اور فقیہ تھیں انہوں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ اللہ کی بارگاہ میں قبر انور کو وسیلہ بنایا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چھما چھم بارش برسنے لگی، برسوں کے پیاسے سیراب ہونے لگے، زمین زرخیز ہوگئی گویا چمن میں بہار آگئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس عمل کو کسی صحابی نے شرک اور کفر نہیں کہا بلکہ سب نے وسیلہ کے حق میں اجماع کی مہر لگادی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے چنانچہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا کی، اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے اور تو ہمیں بارش عطا فرماتا تھا، اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو بارش عطا فرما، پس بارش ہوگئی۔ (ملاحظہ کیجئے بخاری شریف، جلد ا، ابواب الاستسقاء)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہوا کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگا کرتے تھے۔

اعتراض

بعض لوگ اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار نہیں کیا کیونکہ حضور وصال فرما چکے تھے لہٰذا انتقال کے بعد کسی کا وسیلہ اختیار کرنا جائز نہیں۔

مسلمانو! آپ پڑھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ کے وسیلے سے دعا کرتے تھے لہٰذا جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں اُن کا یہ اعتراض غلط اور لغو ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو وسیلہ کیوں بنایا، دوسرے صحابہ کو وسیلہ کیوں نہیں بنایا؟ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور یہ دعا کی کہ ہم نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں جس میں اظہار تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا لیکن حقیقت میں وسیلہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا تھا۔ شارح بخاری حضرت علامہ عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنایا گیا تو آپ نے اس طرح دعا کی، اے پروردگار! یہ لوگ میرے وسیلے سے اس لئے تیری بارگاہ میں متوجہ ہوئے ہیں کہ میرا تعلق تیرے نبی سے قریبی ہے اے اللہ اپنے نبی کے چچا کی لاج رکھ لے۔

(ملاحظہ کیجئے عمدۃ القاری، جلد ۷ صفحہ ۳۲)

وسیلے سے متعلق آخر میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد اور سن لیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی پھر آپس میں بیٹھ کر پوچھیں گے کہ تم میں کوئی شخص ایسا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صحابی بھی ہو لوگ کہیں گے کہ ہاں ہے پس ان کی برکت سے فتح ہوگی۔ پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا وہ جہاد کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کریں گے کیا تم میں صحابیٔ رسول کو دیکھنے والا (تابعی) ہے لوگ کہیں گے کہ ہاں ہے پس ان کی برکت سے فتح ونصرت ہوگی پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی اور آپس میں دریافت کرے گی کہ تم میں سے کوئی ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھنے والے تابعی کو دیکھا لوگ کہیں گے ہاں پس ان کی برکت سے فتح ونصرت ہوگی۔ (ملاحظہ کیجئے صحیح بخاری، جلد ۲ صفحہ ۱۷۷، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف، عمدۃ القاری، مرقاۃ شریف، اشعۃ اللمعات فارسی، جلد ۴)

اس حدیثِ پاک سے واضح ہوا کہ بزرگانِ دین کا وسیلہ بھی اختیار کرنا جائز ہے۔ آیئے اب چند اعتراضات کے جوابات اور سن لیجئے۔

اعتراض

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

ما نعبدهم الا ليقربونآ الى الله زلفى (سورۃ الزمر:۳)

کہتے ہیں ہم تو انہیں صرف اتنی بات کیلئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں۔

اس آیتِ مقدسہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کفار و مشرکین بتوں کو نہیں پوجتے تھے مگر خدا تک رسائی کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے اور اس ذریعہ اور وسیلہ کو شرک کہا گیا ہے۔ لہٰذا اللہ کے درمیان کسی کو وسیلہ بنانا شرک ہے۔

مسلمانو! مذکورہ بالا آیتِ مقدسہ پر ذرا غور فرمائیں تو معلوم ہوجائے گا کہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ نے وسیلہ اختیار کرنے کو کفر و شرک نہیں فرمایا بلکہ 'پوجنے' کو شرک قرار دیا ہے اور جہاں تک کسی کو پوجنے کا معاملہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی غیر خدا کو پوجنا واقعی شرک ہے۔ اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ اقدس ہے کوئی دوسرا ہرگز نہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی غیر کی عبادت کرے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔ ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ اس بات پر یقین محکم رکھے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کفر و شرک ہے۔

مشرکین مکہ کا یہ دستور تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی پوجا کرتے اگر انہیں اس برے فعل پر روکا جاتا کہ تم یہ کیا حماقت کر رہے ہو۔ ان کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ کیا ان بتوں نے تمہیں پیدا کیا ہے؟ کیا یہ اس عالم کائنات کے خالق ہیں؟ زمین کا فرش، آسمان کی نیلگوں سائبان کیا انہوں نے بنایا ہے؟ وہ جواب دیتے نہیں پھر ان سے کہا جاتا تو پھر تم ان کی پوجا کیوں کرتے ہو وہ کہتے کہ ان کی عبادت سے ہمیں قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے یہ ہمیں اللہ کا مقرب بناتے ہیں۔ ہم گناہگار اس قابل نہیں کہ اللہ کی عبادت کریں ہم تو صرف ان بتوں کی عبادت کریں گے اور ان کی عبادت سے ہمیں قربِ الٰہی نصیب ہوگا۔

پس اے مسلمانو! مذکورہ آیتِ کریمہ انبیاء اور اولیاء کے وسیلے کے انکار میں ہرگز نازل نہیں ہوئی بلکہ کفارِ مکہ کی مذمت میں نازل ہوئی جو بتوں کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

اس آیتِ مقدسہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ کفار و مشرکین نے ان بتوں کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا، جو اللہ کے دشمن ہیں جبکہ مسلمان کسی اللہ کے دشمن کو وسیلہ نہیں بناتا بلکہ اللہ کے محبوبین کو وسیلہ بناتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ بت پرستوں کا وسیلہ کفر و شرک ہے تو مومنین کا وسیلہ عین ایمان۔ مذکورہ آیت میں انبیاء اور اولیاء کے وسیلے کا ہرگز انکار نہیں۔

اعتراض

قرآن مجید کا ایک ارشاد اور سنئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ولا تصل علیٰ احد منهم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبره (سورۂ توبہ:۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

اس آیتِ مقدسہ کے بارے میں بھی کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قمیض عبداللہ بن ابی کی نعش کو پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اس کے جنازہ کی نماز پڑھی تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کاموں سے منع فرمایا۔ دیکھو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا، نمازِ جنازہ، قمیض پہنانا، منہ میں لعابِ دہن ڈالنا سب بے کار گیا کچھ فائدہ نہ ہوا، کیونکہ اس کے اعمال خراب تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسیلہ کی کوئی حقیقت نہیں۔

پیارے مسلمانو! یہ عبداللہ بن ابی کون تھا کہ جس کو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ کام نہ آیا۔ آیئے قرآن ہی سے پوچھتے ہیں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں عبداللہ بن ابی کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

انهم كفروا بالله ورسوله وما توا وهم فسقون (سورۂ توبہ:۸۴)

بے شک اللہ اور رسول کے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مرے۔

غور فرمایئے مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ نے اس حقیقت کا راز فاش کر دیا کہ عبداللہ بن ابی مومن نہ تھا بلکہ وہ ایک فاسق و فاجر اللہ اور اس کے رسول کا منکر یعنی منافق تھا اور اسے کفر پر موت آئی تھی اسی لئے اس کو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ کام نہ آیا جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ مومن کیلئے ہے، کافروں اور منافقوں کیلئے نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دے کر یہ واضح کر دیا کہ عبداللہ بن ابی جیسے گستاخوں اور بے دینوں کے ساتھ آپ ہرگز نرمی نہ برتیں نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھیں اور نہ ہی ان جیسوں کی قبروں پر جایا کریں۔ ان کی گستاخی اور بے ادبی نے انہیں اس قابل نہیں چھوڑا کہ رحمتِ الٰہی کا ان پر نزول ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی کے انتقال کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ اس نے حضور کی خدمت میں پر زور درخواست کی کہ جب وہ مرجائے تو آپ نمازِ جنازہ پڑھائیں اور اس کی قبر پر بھی دعا کیلئے تشریف لائیں اور کفن کیلئے اپنا وہ کرتہ عنایت فرمائیں جو آپ نے پہن رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ اس ناپاک اور نجس کو اپنا پاک اور مقدس کرتہ ہرگز عنایت نہ فرمائیں۔ اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمر اس کافر اور منافق کو میرا کرتہ ہرگز نفع نہیں پہنچائے گا بلکہ اس کے دینے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہزار آدمیوں کو دولتِ اسلام سے سرفراز فرمائے گا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے عبداللہ بن ابی انصار مدینہ کا سردار تھا اور خزرج قبیلے میں یہ واحد شخص تھا جسے متفقہ طور پر بادشاہ تسلیم کرلیا گیا تھا اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اس کی قوم میں دو آدمی بھی ایسے نہ تھے جو اس سے اختلاف رکھتے ہوں اس کی باقاعدہ تاج پوشی کی تیاریاں بھی ہونے لگیں تھیں کہ اسی دوران حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے اور اس کی بادشاہت کا خواب چکنا چور ہوگیا۔ حضور سے مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

مسلمانو! منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کے ہمراہ ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہا کرتا جب انہوں نے دیکھا کہ ہمارا یہ سردار عمر بھر حضور کی مخالفت کرنے کے باوجود اپنی بخشش اور نجات کیلئے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرتے کا سہارا لے رہا ہے تو ان کی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹ گئے اور یہ حقیقت ان پر ظاہر ہوگئی کہ حضور کی رضا کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا ممکن نہیں لہٰذا انہوں نے سچے دل سے توبہ کی اپنی گذشتہ خطاؤں کی معافی مانگی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرتے کی برکت سے اس دن ایک ہزار منافق مشرف با اسلام ہوگئے۔ جب عبداللہ بن ابی مرگیا تو اس کا بیٹا جو حضور کا وفادار صحابی تھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی موت کی اطلاع دی اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ ان کی نمازِ جنازہ پڑھا دیں۔ محسنِ انسانیت اور پیکر عفو و عنایت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع نہ کیا اور نمازِ جنازہ پڑھانے کیلئے چل دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر گزارش کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس دشمن رسول کی آپ نمازِ جنازہ ہرگز نہ پڑھیئے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبرہ (سورۂ توبہ:۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دیکھو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ عبداللہ بن ابی کے کام نہ آیا ان کا یہ کہنا بالکل بجا ہے اور جہاں تک مومنین کیلئے وسیلہ کا معاملہ ہے اس کے بارے میں مسلم شریف کی حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جبہ شریف تھا اور فرماتی تھیں کہ یہ جبہ شریف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا ان کے وصال کے بعد میں نے ان سے لے لیا۔ اس جبہ شریف کو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہنتے تھے اور اب ہم یہ کرتے ہیں کہ مدینہ میں جو بیمار ہوجاتا ہے اسے دھو کر پلاتے ہیں اس سے اسے شفا ہوجاتی ہے۔ (ملاحظہ کیجئے مشکوۃ شریف کتاب اللباس)

غور فرمائیے ایک طرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتہ ہے جو عبداللہ بن ابی کو فائدہ نہ دے سکا کیونکہ وہ منافق تھا جبکہ دسری جانب حال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جبہ شریف کو بیماری سے نجات کا وسیلہ سمجھ کر صحابہ کرام دھو کر پی لیتے تھے اور انہیں شفا نصیب ہوجاتی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتہ ہو یا جبہ اگر مومن ہے تو نفع ہی نفع ہے اور اگر منافق اور کافر ہے تو نہ نفع ہے اور نہ ہی کوئی وسیلہ۔

مسلمانو! ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے جو کسی طرح کفر و شرک نہیں۔ جو وسیلہ کو کفر و شرک بتاتے ہیں وہ گمراہ اور بے دین ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

ایصالِ ثواب کا بیان

فوت شدہ مسلمانوں کو جو نیک عمل کر کے ثواب بھیجا جاتا ہے اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے عام طور پر مسلمان نیاز فاتحہ، سوئم، دسواں، چالیسواں، برسی یا دیگر صالح عمل کر کے اس کا ثواب مرحومین کو بھیجتے ہیں یہ عمل ایصالِ ثواب کہلاتا ہے۔

حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے، جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے جن کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے: اوّل صدقۂ جاریہ، دوم وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے، سوم وہ نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی رہے۔ (مسلم شریف)

اس حدیثِ مبارکہ سے واضح ہے کہ میت کو زندہ لوگوں کے نیک عمل سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کھلی حقیقت کے باوجود ایصالِ ثواب کے بارے میں کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ سوئم، دسواں، چالیسواں، برسی، نیاز، فاتحہ وغیرہ کا کھانا حرام اور اہتمام کرنے والا مشرک ہے گویا یہ عمل بھی شرک ہے۔ ان کے اعتراض کی دلیل کیا ہے؟ آیئے پہلے اسے سمجھتے ہیں۔

اعتراض

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وما اھل بہٖ لغیر اللہ (سورۂ بقرہ:۱۷۳)

اور وہ جانور جو غیر کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے جس جانور پر غیر خدا کا نام آجائے یا جو کھانا غیر خدا سے منسوب کیا جائے وہ حرام ہے۔

مسلمان بھائیو! جہاں تک اس آیتِ مبارکہ کا تعلق ہے قرآن مجید میں چار مقامات پر اس آیت مبارکہ کا ذکر ہے۔ آیتِ مبارکہ کا نزول کیوں ہوا؟ اللہ نے ان آیات میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانور کو حرام کیوں قرار دیا؟ ان سوالوں کے جوابات قرآن مجید کے سب سے بڑے اور پہلے مفسر قرآن صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر سے پھر اس کے بعد کتب حدیث کی معتبر اور مستند تفاسیر سے حاصل کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مشہور و معروف تفسیر 'تفسیر ابن عباسؓ' میں مذکورہ آیت کا ترجمہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا عمداً بتوں کیلئے ذبح کرنا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر ابن عباس صفحہ ۲۲ مطبوعہ مصر)

پیارے مسلمانو! قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہر جگہ صحابیٔ رسول اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیتِ مبارکہ کی یہی تفسیر کی ہے کہ وہ جانور حرام ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا عمداً بتوں کیلئے ذبح کیا جائے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جب کفار و مشرکین جانوروں کو ذبح کرتے تھے تو اپنے بتوں کا نام لے کر ان کے گلے پر چھری پھیر دیتے تھے اور پکار پکار کر اس طرح کہتے: باسم اللات والعزیٰ یعنی لات اور عزیٰ کے نام سے ہم ذبح کرتے ہیں۔

کفار و مشرکین ان بتوں کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھ کر نام پکارتے۔ صاف ظاہر ہے کہ کفار کے وہ جانور حرام ہوئے جو بتوں کی بھینٹ چڑھانے کیلئے بتوں کے نام پر ذبح کیے جاتے تھے۔

اگرچہ اس عظیم ترین تفسیر کے بعد کسی اور حوالے کی ضرورت پیش نہیں آتی مگر پھر بھی چند معتبر تفاسیر آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کیونکہ اس آیتِ مبارکہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ میں افتراق و انتشار کا دروازہ کھل چکا ہے اور کچھ لوگ دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں کو اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں غلط معنی بیان کرکے کافر و مرتد کہتے ہوئے بھی گریز نہیں کرتے اور بڑی شد و مد سے ان تمام جانوروں کو حرام و مردار کہتے ہیں جنہیں کسی بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کیلئے ذبح کیا گیا ہو اگرچہ بوقتِ ذبح اس پر اللہ ہی کا نام کیوں نہ لیا گیا ہو۔ آئمہ دین اور مفسرین کرام کی معتبر اور مستند تفاسیر کے چند ترجمے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں تاکہ اس آیت کریمہ کو اپنی مرضی کا اکھاڑا نہ بنایا جائے بلکہ حقیقت واضح ہو جائے اور باہمی اختلاف و انتشار کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر قابو پایا جاسکے۔

اس آیتِ مبارکہ کا جو مفہوم و معنی آئمہ دین اور سلف صالحین نے خود سمجھا اور پھر ہمیں سمجھایا وہ کیا ہے؟ سنئے:۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

وما اھل بہ لغیر اللّٰہ

ہر ذبح کرنے والا محمل ہے جیسا کہ عرب ذبح کے وقت اپنے بتوں کا نام پکارتے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر کبیر، جلد ۱ صفحہ ۲۸۱ مطبوعہ مصر)

حضرت اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح البیان میں اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں، یعنی وہ جانور حرام ہے جس پر ذبح کے وقت بت کے نام کی آواز بلند کی جائے اور وہ کافر جس وقت اپنے معبودوں کے واسطے ذبح کرتے تھے تو ان کے ساتھ آواز بلند کرتے اور کہتے تھے 'ساتھ نام لات اور عزیٰ کے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر روح البیان، جلد ۱ صفحہ ۲۷۷ مطبوعہ مصر)

حضرت امام محمد ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر ابن جریر میں اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں، اور جو ذبح کیا گیا ہو ان کفار کے معبود بتوں کیلئے نام لیا جائے غیر اللہ کا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر ابن جریر امام محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

امام علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں، جو ذبح کیا جائے بتوں کے واسطے اور طواغیت کیلئے اور اصل اہلال بلند ہونا آواز کا اور وہ اس لئے کہ وہ اپنی آواز کو بلند کرتے تھے واسطے ان کے'۔ (تفسیر خازن، جلد ا صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ مصر)

امام عبدالرحمٰن بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں، بلند کی اس کے ساتھ آواز ذبح کے وقت واسطے بت کے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر بیضاوی، جلد ا صفحہ ۲۱۱ مصر)

آخر میں امام محمد آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی سن لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں، 'اہل بہ لغیر للہ' سے بتوں کے نام پر ذبح کرنا مراد ہے۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر روح المعانی، صفحہ ۴۴)

محترم مسلمان بھائیو! ایک صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر دیگر آئمہ دین اور مفسرین کرام تک آپ نے وما اھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائی ان مقتدر مفسرین کی تفاسیر کے مطابق وما اھل بہ لغیر اللہ کی زد میں صرف وہ جانور آتے ہیں جنہیں بت پرست اپنے باطل معبودوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بتوں کی بھینٹ چڑھاتے اور ان کا نام پکارتے تھے جبکہ مسلمان ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی غیر خدا کا نام لینا تصور تک نہیں کرسکتا۔

کفار و مشرکین ان جانوروں کو ذبح کرتے تو ان بتوں کی عبادت کی نیت سے ان کی جان تلف کرتے کسی کو ثواب پہنچانا مقصود نہ ہوتا جبکہ مسلمان کسی غیر اللہ کی عبادت کی نیت سے ان کی جان تلف نہیں کرتے بلکہ ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اس جانور کو اللہ کے نام سے ذبح کرنے کے بعد اس کا پکایا ہوا کھانا عام مسلمان، غرباء و فقراء اور عزیز و اقرباء میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے صدقہ کرتے ہوئے تقسیم کردیا جائے اور اس کا جو ثواب ہو وہ فلاں فلاں بزرگ یا کسی مرحوم رشتہ دار کو پہنچے اگر مقصد صرف ایصال ثواب ہو جیسا کہ ہر مسلمان کا مقصد ہوتا ہے تو اس کو طرح طرح کی تاویلات سے حرام کہنا اور مسلمانوں پر شرک کی گرفت لگانا کسی طرح جائز نہیں بلکہ مقصد الٰہی کو بدل کر تفسیر قرآن کی تحریف کرنا ہے۔

جن لوگوں نے اس آیتِ کریمہ کے غلط معنی نکال بزرگانِ دین اور مرحوم عزیز و اقرباء کے نام پر دی گئی نذر و نیاز فاتحہ برائے ایصال ثواب کو کفر و شرک سمجھا وہ عقائدِ باطلہ کی پیداوار ہیں ان کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

چونکہ مفسرین کرام کی تفاسیر سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ غیر اللہ سے مراد بت ہیں۔ اللہ کے نبی یا ولی یا کوئی پیر فقیر یا

کوئی عام مسلمان نہیں۔ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی ولی یا نبی کیلئے متعین کیا جانے والا جانور حرام ہے اگر کچھ دیر کیلئے درست بھی مان لیا جائے تو یقین جانئے دنیائے اسلام کا سارا انظام درہم برہم ہوکر رہ جائے۔

ذرا سوچئے کسی نبی یا ولی یا پیر یا کسی مرحوم رشتہ دار کے ایصالِ ثواب کیلئے متعین یا مقرر کرنے سے اگر جانور حرام ہونے لگ جائیں تو پھر باراتیوں کیلئے خریدی ہوئی گائے بھی حرام ہوگی، ولیمہ یا عقیقہ کیلئے مقرر کردہ جانور بھی حرام ہوگا، گاہکوں کیلئے ذبح کیا جانے والا بکرا بھی حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی تو مخلوق ہی ہیں۔

سچ بات یہ ہے کہ محبوبانِ خدا سے منسوب کردینے سے جانور حرام نہیں ہوتا جبکہ اسے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا جائے۔ قرآن پاک کی کوئی ایک آیت یا کوئی ایک حدیث ایسی نہیں جو کسی سے منسوب کئے جانے والے جانور یا کسی شیرینی کو حرام قرار دیتی ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں عیدگاہ میں حاضر تھا محبوبِ خدا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ ختم کیا اور منبر سے نیچے تشریف لائے ایک دُنبے کو لائے اور اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا اور ذبح کے وقت فرمایا:

بسم اللہ، اللہ اکبر ھذا عنی وعن لم یصنع من امتی

بسم اللہ، اللہ اکبر میری طرف سے ہے اور میرے اس اُمتی کی طرف سے ہے جو ذبح نہیں کر سکا۔

(ملاحظہ کیجئے سفر السعادات، صفحہ ۱۲۴)

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو مینڈھوں کو ذبح فرمایا کرتے۔ ایک دنبہ پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے فرماتے اس کے بعد دوسرا اپنی طرف سے۔ (ترمذی شریف، جلد ا صفحہ ۵۳۸۔ ابوداؤد شریف، جلد ۲ صفحہ ۲۹)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی پہلی زوجہ محترمہ اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے بکری ذبح فرماتے اور اس کا گوشت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو بھیجتے۔ (ملاحظہ کیجئے ترمذی شریف، جلد ۲ صفحہ ۵۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکلے اور میں ساتھ تھا پس تشریف لے گئے انصاری کی عوت کے گھر اور اس نے ذبح کی بکری ان کیلئے۔ (ملاحظہ ہو ترمذی شریف، جلد ا صفحہ ۳۷)

پیارے مسلمانو! غور فرمایئے اگر مجازی نسبتوں سے منسوب کردینے سے جانور حرام ہوجاتا تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لئے اپنی اُمت کیلئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے جانور کیوں مقرر فرمایا؟ اگر ان مجازی نسبتوں کو کفر اور شرک سمجھ لیا جائے تو سارا نظامِ زندگی کفر و شرک اور حرام ہوکر رہ جائے گا۔

پس اگر کوئی کسی جانور کو نبی یا ولی سے منسوب کردینے کو حرام کہتا ہے تو یہ اس کا باطل قیاس ہے جسے دین کی شکل دینا زبردست بددیانتی اور بدترین شرانگیزی ہے۔

کسی بھی نبی یا ولی یا اپنے مرحوم رشتے داروں کے ایصال ثواب کیلئے ذبح کیا جانے والا جانور قطعی حلال ہے اور اس کا ایصال کردہ ثواب بزرگانِ دین یا مرحومین کو پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

والذین جآءو من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (سورۂ حشر:۱۰)

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے ربّ ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

اس آیتِ مبارکہ میں انتقال شدہ مسلمانوں کیلئے دعائے مغفرت کا ذکر ہے۔ جس سے مرحوم مسلمانوں کیلئے دعائے خیر کرنا ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں اس طرح دعا کی:

ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب (سورۂ ابراہیم:۴۱)

اے ہمارے ربّ مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کل مومنین کیلئے دعائے مغفرت کرنے کا ثبوت موجود ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مردہ کی حالت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی طرح ہوتی ہے گویا وہ انتظار کرتا ہے کہ اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے اور جب اس کو کسی اہل ایمان کی دعا پہنچتی ہے تو وہ دعا کا پہنچنا اس کو دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہوتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا سے اہل قبور کو پہاڑوں کی مثل اجرِ رحمت عطا کرتا ہے اور بے شک زندوں کا تحفہ مردوں کی طرف یہی ہے کہ ان کیلئے بخشش کی دعا مانگی جائے۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۲۰۶)

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری اُمت اُمتِ مرحومہ ہے، وہ قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی اور جب قبروں سے نکلے گی اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے استغفار کی وجہ سے اس کو گناہوں سے پاک کردے گا۔ (ملاحظہ ہو شرح صدور امام جلال الدین سیوطی ۱۲۸)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا ہم اپنی میتوں کیلئے جو صدقات خیرات کرتے ہیں ان کیلئے دعا مانگتے ہیں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچتا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک پہنچتا ہے اور وہ اس سے اسی طرح مسرور اور شادماں ہوتے ہیں جس طرح تمہارے اعلیٰ اور مرغوب تحفوں سے زندہ خوش ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ جب بھی کوئی مرتا ہے تو پھر اس کے ورثاء اس کیلئے صدقہ کرتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام اس صدقہ کو اس طبق میں رکھ کر اس مردے کی قبر کے کنارے کھڑے ہوتے ہیں پس کہتے ہیں جبرائیل علیہ السلام 'اے قبر والے یہ ہدیہ ہے تیرے اہل کی طرف سے' پس وہ مردہ اسے قبول کرتا ہے پھر قبر میں داخل ہوتا ہے خوش ہوتا ہے اور بشارت دیا جاتا ہے اور وہ مردے جن کے اہل نے ہدیہ نہیں کیا وہ انہیں دیکھ کر غمگین ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو شرح الصدور شریف، صفحہ ۱۲۹)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی حضور میری بیٹی انتقال کر گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے خواب میں دیکھوں۔ آپ مجھے کوئی عمل بتادیں جس سے میں اپنی بیٹی کو دیکھ سکوں۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عمل بتایا پھر اس عورت نے اپنی بیٹی کو خواب میں دیکھا کہ وہ عذاب قبر میں مبتلا ہے۔ تارکول کا لباس پہن رکھا ہے گردن میں زنجیر ہے اور پاؤں میں بیڑیاں ہیں۔ اس عورت نے یہ خواب خواجہ حسن بصری علیہ الرحمۃ کو بتایا۔ کچھ عرصہ بعد خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس لڑکی کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ہے اس کے سر پر تاج ہے لڑکی نے کہا اے حسن بصری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)! آپ نے مجھے پہچانا؟ میں اسی عورت کی بیٹی ہوں جو آپ کے پاس آئی تھی۔ آپ نے فرمایا تمہیں یہ مقام کیسے حاصل ہوا حالانکہ تم تو عذاب میں مبتلا تھیں۔ لڑکی نے کہا ایک بار ایک شخص قبرستان کے پاس سے گزرا اور اس نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُرود شریف پڑھا اور قبر والوں کو بخش دیا اس وقت قبرستان میں پانچ مردوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ آواز آئی کہ اس آدمی کے درود شریف پڑھنے کی برکت سے ان سے عذاب ہٹادو۔ (مکاشفۃ القلوب، صفحہ ٦٧)

پس قرآن وحدیث اور مذکورہ بالا واقعہ کی روشنی میں یہ واضح ہوا کہ مرحومین کو ثواب پہنچتا ہے اور وہ اس ثواب پر خوش ہوتے ہیں۔
مسلمانو! حق بات واضح ہو چکی ہے کہ وما اھل بہ لغیر اللّٰہ 'اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا' کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ گیارھویں شریف کی نیاز، محرم شریف کی سبیل، شب برأت کا حلوہ، کسی بزرگ کا لنگر، میلاد شریف کا تبرک یا کسی ولی کے مزار کا تبرک حرام ہے بلکہ ایسا جانور حرام ہے جس پر ذبح کے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کے بجائے کسی غیر اللہ کا نام لیا جائے دنیا میں آج تک کوئی مسلمان ایسا نہیں جو بوقتِ ذبح اللہ کے سوا کسی غیر کا نام لیتا ہو۔ سب کے سب بسم اللہ، اللہ اکبر ہی کہتے ہیں لہٰذا اس بات کا فیصلہ ہوا کہ نذر و نیاز، ختم شریف، گیارھویں شریف میں پکایا جانے والا کھانا 'وما اھل بہ لغیر اللّٰہ' کی زد میں نہیں آتا اس لئے یہ تمام اُمور جائز و مستحب ہیں۔

نیاز و فاتحہ کا کھانا خواہ سوئم کا ہو یا دسواں، بیسواں کا، چالیسواں کا ہو گیارھویں کی نیاز کا یا اپنے فوت شدہ عزیز و اقارب کے ایصال ثواب کا کسی صورت میں حرام نہیں بلکہ یہ تو وہ بابرکت کھانا ہے جس پر قرآن مجید کی مقدس آیات تلاوت کی جاتی ہیں پھر اس کا جملہ ثواب تمام مومنین کی ارواح کو پیش کیا جاتا ہے، جس سے مرحومین کو فائدہ پہنچتا ہے اور بزرگانِ دین کو ایصال کرنے سے بزرگوں کی روح اقدس خوش ہوتی ہے اور ان کی نظرِ عنایت سے پریشانیاں دُور ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فکلوا مما ذکر اسم اللّٰہ علیہ ان کنتم بایٰتہٖ مؤمنین (سورۂ انعام:۱۱۸)

تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم اللّٰہ علیہ (سورۂ انعام:۱۱۹)

اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔

واضح ہوا کہ جس کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے یا جس پر قرآنی آیات پڑھی جائیں وہ کھانا خیر و برکت والا ہو جاتا ہے اور جو ایسے کھانے کو حرام یا ناجائز کہتے ہیں مسلمانوں کو ان عقل کے اندھوں سے دُور رہنا چاہئے۔

درود و سلام کا بیان

محترم مسلمانو! حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا باعثِ خیر و برکت ہے۔ اس کے فضائل بے شمار ہیں لیکن بدنصیبی سے آج کے اس پرفتن دور میں ایسے لوگ بھی ہیں جو درود و سلام پڑھنے کو ناجائز، حرام اور کفر و شرک تک کہہ دیتے ہیں اور جو مسلمان حضور پر درود و سلام پڑھتا ہے اسے مشرک قرار دیتے ہیں۔

خالق کائنات اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

ان اللہ وملٓئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا

صلوا علیہ وسلموا تسلیما (سورۂ احزاب:۵۶)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

محترم مسلمانو! اس آیتِ مقدسہ میں اللہ نے اپنے بندوں کو 'صلو' اور 'سلمو' کا حکم دیا ہے جس سے درود اور سلام کی فضیلت کا پتا چلتا ہے۔ مذکورہ آیت میں درود اور سلام دونوں کو پڑھنے کا حکم ہے۔ چنانچہ درود شریف وہ پڑھا جائے جس میں درود بھی ہو اور سلام بھی۔ نماز میں جو ہم درودِ ابراہیمی پڑھتے ہیں اس میں سلام نہیں لہٰذا درودِ ابراہیمی کو پڑھ کر مذکورہ آیتِ کریمہ کی پوری تکمیل نہیں ہوتی جبکہ سلام کی تعمیل التحیات میں اس طرح ہوتی ہے: السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جہاں تک درودِ ابراہیمی کا تعلق ہے بلا شبہ درودِ ابراہیمی پڑھنا حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سے ہے اس کی فضیلت سے انکار نہیں یہ وہ بابرکت درودِ پاک ہے جسے نماز جیسی عبادت کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے اور دنیا بھر کے سارے مسلمان حالتِ نماز میں یہی درود ابراہیمی پڑھتے ہیں مگر اسکے باوجود یہ درودِ پاک صرف صلوٰ کی تعمیل کرتا ہے سلام کی نہیں۔ جس سے آدھے حکم پر عمل ہوا آدھے پر نہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ عام حالتوں میں درود شریف وہ پڑھا جائے جس سے آیتِ مذکورہ بالا کی پوری تعمیل ہو جائے یعنی اس میں درود اور سلام دونوں ہی آجائیں۔ لہٰذا جو مسلمان 'الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ' پڑھتے ہیں گویا وہ قرآنی احکام کی پوری تعمیل کرتے ہیں کیونکہ مذکورہ درودِ پاک میں صلوٰۃ اور سلام دونوں ہی آجاتے ہیں اور اس طرح قرآنی احکام کی پوری تعمیل ہو جاتی ہے۔ یہی وہ درودِ پاک ہے جو روضہ رسول پر صبح و شام پڑھا جاتا ہے جو لوگ اس درودِ پاک کو شرک کہتے ہیں اپنے ایمان اور ضمیر کی روشنی میں یہ بتائیں کہ کیا روضہ رسول پر صبح و شام شرک ہوتا ہے؟ کیا روضہ رسول پر 'الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ' پڑھنے والے سب مسلمان مشرک ہیں؟ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ روضہ رسول پر یہ درود شرک نہیں بلکہ روضہ رسول سے دُور پڑھنا شرک ہے تو افسوس ہے ان کی اس ناقص سوچ پر کہ جنہیں یہ تک نہیں معلوم کہ شرک تو ہر جگہ شرک ہی ہوتا ہے بلکہ جو گناہ ان مقدس مقامات پر کیے جائیں ان کی سزا دوسرے مقامات پر کیے جانے والے گناہ سے زیادہ سخت ہے۔

جب 'الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ' کہنا وہاں شرک نہیں تو پاکستان یا دیگر ممالک میں شرک کیسے ہو سکتا ہے اگر کسی کو اس وجہ سے اعتراض ہے کہ اس درود پاک میں لفظ 'یارسول اللہ' آتا ہے جو ان کی نظر میں حرام اور شرک ہے تو ان کا یہ اعتراض بھی قطعی غلط ہے۔ اوّل تو یارسول اللہ کے جائز ہونے کا ثبوت آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں۔ مگر اس درود کے حوالے سے بھی ذرا آپ غور فرمایئے کہ دنیا بھر کے تمام مسلمان چودہ سو برس سے بھی زیادہ برسوں سے حالتِ نماز میں **یا** والا سلام' التحیات میں 'السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' کہہ کر پڑھتے آئے ہیں تو پھر 'یا' والا درود و سلام پڑھنے پر اعتراض کیوں؟ جب حالتِ نماز میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یا کہہ کر سلام پڑھنے میں شرک نہیں تو نماز سے باہر شرک کیسے ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، جو صبح فرض پڑھنے کے بعد اورادِ فتحیہ پڑھے وہ چودہ سو کامل ولیوں کی ولایت سے حصہ پائے گا اور فیض یاب ہوگا۔ مسلمانو! یہی وہ اورادِ فتحیہ ہے جس میں یہ درودِ پاک بھی موجود ہے۔

الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله
الصلوٰة والسلام عليك يا حبيب الله
الصلوٰة والسلام عليك يا رحمة اللعالمين
الصلوٰة والسلام عليك يا شفيع المذنبين

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیّد علی امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیت المقدس کی زیارت کو تشریف لے گئے تو وہاں انہیں خواب میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اورادِ فتحیہ پڑھنے کیلئے ارشاد فرمایا۔ (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، صفحہ ۱۲۴۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

غور فرمایئے اگر 'الصلوٰة والسلام علیک یارسول اللہ' کہنا شرک ہوتا تو کیا حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواب میں اسے پڑھنے کی تعلیم دیتے؟ کیا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے اپنی کتاب میں لکھ کر شرک کی تعلیم دیتے؟ ہرگز نہیں۔

مسلمانو! حقیقت تو یہ ہے کہ اس دُرودِ پاک کو مختلف مکتبہ فکر کے علماء نے بھی جائز اور حصولِ ثواب کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جو کہ مکتبہ دیوبند کے علماء اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند اور رشید احمد گنگوہی کے مسلم رہبر ور ہنما اور پیر و مرشد ہیں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق ہو اسے چاہیے کہ عشاء کی نماز کے بعد دل کو تمام وسوسوں سے خالی کرے اور یہ تصور کرے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت ہی سفید کپڑے پہنے اور سبز عمامہ باندھے کرسی پر چودھویں کے چاند کی طرح روشن چہرہ میں جلوہ افروز ہیں۔ دائیں طرف الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اور بائیں طرف الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ اور دِل پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ کی ضربیں لگائیں اور جس قدر ہو سکے اس درود شریف کو پے در پے بار بار پڑھے اِن شاء اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگا۔

(ملاحظہ ہو ضیاء القلوب، صفحہ ۸۳، کلیات امدادیہ، صفحہ ۲۳)

غور فرمایئے اگر یہ درود پڑھنا شرک ہوتا اور پڑھنے والا مشرک ہوتا تو مشرک کو زیارت کیسی؟ دیو بند مکتبہ فکر کے مولوی اشرف علی تھانوی کہتے ہیں کہ یوں جی چاہتا ہے کہ آج درود شریف زیادہ پڑھوں وہ بھی ان الفاظ سے کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔
(ملاحظہ ہو شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ، صفحہ ۱۸)

مکتبہ دیو بند ہی کے ایک اور مولوی محمد زکریا فرماتے ہیں، بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود و سلام دونوں کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی بجائے 'السلام علیک یارسول اللہ' السلام علیک یا نبی اللہ' وغیرہ کے 'الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ' 'الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ' اسی طرح آخر تک السلام کے ساتھ الصلوٰۃ کا لفظ بڑھادیا جائے تو زیادہ اچھا ہے۔ (ملاحظہ ہو تبلیغی نصاب فضائل درود شریف، صفحہ ۲۸)

ثابت ہوا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنا جائز ہے اس کے باوجود کوئی اسے شرک و کفر کہے تو پھر اسے اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ جو ہر نماز میں التحیات میں 'السلام علیک ایہا النبی' (اے نبی آپ پر سلام ہو) کہا اور پڑھا جاتا ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ وہ بھی شرک ہوگا کیونکہ اس میں بھی حرفِ ندا 'ایہا النبی' 'اے نبی' کا صیغہ موجود ہے۔
جو لوگ 'الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ' جس کا واضح مطلب ہے کہ 'اے اللہ کے نبی تم پر درود اور سلام ہو' کو پڑھنا شرک و کفر کہتے ہیں وہ توبہ کریں ورنہ نماز میں 'السلام علیك ایها النبی' کہنا چھوڑ دیں۔ یہی نہیں بلکہ جو لوگ اس درود کو شرک سمجھتے ہیں انہیں یہ بھی چاہیے کہ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی زکریا پر مشرک ہونے کا فتویٰ لگائیں پھر اس درود کی مخالفت کرے۔ مجھے یقین ہے ایسا وہ ہرگز نہیں کرسکتے اور جب ایسا نہیں کرسکتے تو انہیں چاہیے کہ خوب درود و سلام کی کثرت کیا کریں۔ خواہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر، حکم عام ہے۔
ایک مرتبہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! جو درود شریف بھیجتے ہیں آپ پر اور جو آپ سے غائب ہیں اور جو آئیں گے آپ کے بعد کیا حال ہے ان دونوں کا آپ کے نزدیک؟ فرمایا کہ میں خود سنتا ہوں درود شریف اہل محبت کا اور پہچانتا ہوں ان کو اور پیش ہوتے ہیں میرے پاس درود شریف غیر محبت والوں کے فرشتوں کے ذریعہ سے۔ (ملاحظہ ہو تحفۃ الصلوٰۃ علی النبی المختار، صفحہ ۱)

اس حدیثِ مبارکہ سے دن کے اُجالے کی طرح یہ بات روشن ہوگئی کہ اہل محبت کا درود خود حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں اور جو کوئی درود بغیر محبت کے پڑھتا ہے وہ درود فرشتے آپ کے پاس پہنچادیتے ہیں اور آپ ہر اہل محبت کو جانتے ہیں کہ کون محبت سے درود و سلام پڑھتا ہے اور کون اس کا منکر ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے

پیارے مسلمان بھائیو اور محترم ماؤں اور بہنو! اپنی گفتگو ختم کرنے سے قبل آپ سے انتہائی عاجزی بلکہ ہاتھ جوڑ کر یہ عرض ہے کہ اپنی آنکھوں سے تعصب وکینہ اور بغض وعناد کی عینک اُتار دیں اور ایک سچے اور وفادار اُمتی ہونے کی حیثیت سے ان تمام دلائل کا بغور مطالعہ کیجئے۔ مجھ ناچیز عاجز نے جو کچھ اس کتاب میں بیان کیا ہے نہ تو اس سے اپنی علمیت کا اظہار منظور ہے اور نہ ہی اپنی قابلیت دِکھانا مقصود ہے یہ محض خداوندِ قدوس اور اس کے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کی خاطر ہے تاکہ مسلمان راہِ حق کو اختیار کر کے اپنی آخرت کو سنوار سکیں۔

اُمتِ رسول کو انتشار وافتراق سے بچانے کیلئے ایک وفادار اُمتی کا جو فرض ہونا چاہئے تھا اسے اس عاجز وناچار بندے نے ادا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اُمتِ مسلمہ کو ٹکڑوں میں تقسیم ہونے سے بچایا جاسکے اور پوری اُمت دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہو کر اُمتِ واحدہ کی شکل میں ایک مضبوط قوت بن کر اُبھر سکے۔

آج ہمیں غور کرنا چاہئے کہ غیر مسلم قوم کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی۔ وہ چاند اور ستاروں کو تسخیر کر رہے ہیں اور ہم ابھی فرقہ پرستی کی تفریق میں پھنسے پڑے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پوری قوم عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بنیاد پر ایک مرکز پر جمع ہو جاتی مگر افسوس کہ آج ہم فرقہ پرستی کی بھینٹ چڑھ گئے، اسلامی اُخوت کا جذبہ ہمارے دلوں سے نکال دیا گیا۔ تمام امت واحدہ منتشر ہو کر بکھر چکی۔ نفرتیں اور کدورتیں اس حد تک ایک دوسرے کے خلاف بڑھ چکی ہیں کہ ایک دوسرے کو کافر ومشرک کہنے سے بھی نہیں رُکتے۔ ایک دوسرے کی عبادت گاہیں بھی باہمی تصادم سے محفوظ نہیں۔

مذہبی تصادم کی ایک معمولی سی جھلک کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ پاکستان کے مختلف شہروں میں 1993 میں مذہبی تصادم کے 90 واقعات رونما ہوئے جن میں 38 افراد لقمہ اجل تو 247 افراد زخمی ہوئے۔ جبکہ 1994 میں مذہبی تصادم کے 160 واقعات رونما ہوئے۔ جن میں 72 افراد ہلاک اور 361 زخمی ہوئے اور یہ وباء 1995 میں بھی نہیں رُکی بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوا۔ تین فروری 1995 سے تین مارچ 1995 تک صرف ایک ماہ میں کراچی شہر میں 216 افراد فرقہ وارانہ فساد کی بھینٹ چڑھ چکے تھے اور قتل وغارت گری کا سلسلہ اب تک جاری وساری ہے۔ ان حقائق کو دیکھ کر ہر مسلمان کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔

مسلمانو! خدا گواہ ہے اس کتاب کو لکھنے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں کہ ہمارے وطن عزیز میں فرقہ واریت کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھایا جائے۔ ہمارا یہ غریب ترقی پذیر ملک ہرگز فرقہ پرستی اور فتنہ وفساد کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اگر بغض وعناد کی عینک اپنی آنکھوں سے اتار کر ایک سچے مسلمان اور وفادار اُمتی کی حیثیت سے اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو مجھے یقین کامل ہے کہ اِن شاء اللہ ملک سے فرقہ واریت کا سانپ اپنی موت آپ مرجائے گا اور قوم اُخوت واتحاد، محبت وباہمی یگانگت وبھائی چارے کے فیض سے مستفید ہوگی۔

فرقہ واریت کے خاتمہ کیلئے حکومتِ وقت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے منصب کو نعمتِ خداوندی سمجھتے ہوئے مخلصانہ کوشش کرے اور تمام مکاتبِ فکر کے علماؤں کو یکجا کرکے حق پرستی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کرے۔ حکومتِ وقت کی ذرا سی مخلصانہ توجہ ملک کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھنے سے بچاسکتی ہے اور بے توجہی فرقہ وارانہ فسادات کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرسکتی ہے جس کا حساب روزِ محشر حکومتِ وقت کی گردن پر بھی آسکتا ہے۔ ایک عام مسلمان شہری کی بھی یہ دینی اور مذہبی ذمہ داری ہے کہ وہ فرقہ وارانہ اندازِ فکر کو مسترد کرکے ایک سچے مسلمان اور ایک وفادار اُمتی ہونے کا ثبوت دے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

مسلمانو! آج کچھ ایسے لوگ بھی اس معاشرے میں موجود ہیں جو اپنے آپ کو اسلام کے سب سے بڑے خدمت گزار اور فرقہ پرستی کے سب سے بڑے مخالف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایک نئے جدید اور خود ساختہ مذہب کیلئے تیار کررہے ہیں جو اپنے سوا سب کو جاہل بدعتی کافر ومشرک اور واجب القتل سمجھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ حق وہی ہے جو ان کی زبان سے نکلتا ہے باقی ساری اُمت کفر وشرک کی گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ ذرا سوچئے جب فرقہ پرستی کا تعصب اس حد تک بڑھ جائے تو اس سے جنم لینے والے منفی اثرات ملک وقوم کیلئے کتنے خطرناک ثابت ہوں گے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مسلمان حق پرستی کی راہ کو اختیار کر کے دشمنانِ اسلام یہود وہنود کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی ایک آہنی دیوار بن جائیں۔ آج اسلام دشمن یہود وہنود مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لینے کیلئے تیار ہے۔ یہودی اور عیسائی لابی اپنی روایتی تنگ نظری اور اسلام دشمنی میں تمام تر اخلاقی حدود کو اپنے ناپاک قدموں تلے روند کر سازشوں میں مصروف ہے، یہی وہ اسلام دشمن قوم ہے جس نے ایران، عراق، سعودی عرب، کویت، سوڈان، فسلطین اور لیبیا جیسی اسلامی سلطنتوں کے خلاف محاذ آرائی کی۔ اور یہی وہ قوم ہے جو عالم اسلام میں احیائے اسلام کی تحریکوں کے حامیوں کو دہشت گرد قرار دے رہی ہے۔ شام، ایران، لیبیا اور افغانستان کو دہشت گرد قرار دیا جا چکا ہے اور اس جرم میں افغانستان کے نہتے اور غریب مسلمانوں پر تباہ کن بم کے گولے برسائے جا رہے ہیں۔ سوڈان، صومالیہ، الجزائر، لبنان، مصر اور دیگر اسلامی ممالک پہلے بنیاد پرست قرار دیئے جا چکے ہیں۔

مسلمانو! انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک عالم اسلام پر ایک نظر ڈال کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ایک ارب سے زیادہ ملت اسلامیہ کے فرزند ہر جگہ ظلم وستم کا شکار ہیں پوری اُمت پر گویا ایک نزع کا عالم ہے، نہ کہیں جائے پناہ ہے اور نہ کہیں جائے امان۔ مغربی سامراج ایک گدھ کی صورت میں شمع رسالت کے پروانوں کی لاشوں کی بوٹیاں نوچ رہے ہیں۔ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی اسلامی مملکت انڈونیشیا میں عیسائیت نے شب خون مارا اور عیسائی مشنری تبلیغ کے ذریعے پسماندہ علاقوں میں تیزی سے عیسائیت کو فروغ دے رہی ہے۔ فلپائن میں مسلمانوں پر کئی سالوں سے عرصہ حیات تنگ ہے۔

برما میں 'اراکان' کے مسلمانوں کا قتل عام اور مسلمان خواتین کی اجتماعی آبرو ریزی نے انہیں زندہ درگور کر دیا ہے۔ وسط یورپ میں اُبھرنے والی چھوٹی سی مسلمان ریاست بوسینا پر قیامت ٹوٹ چکی ہے۔ لاکھوں مسلمانوں کو سربی درندوں نے شہید کر دیا اور ہزاروں عزت دار خواتین کی عزتیں پامال کر دیں۔ پڑوسی ملک بھارت میں بیس کروڑ سے زائد مسلمان اب تک ہزاروں مرتبہ ہندو مسلم کش فسادات کا سامنا کر چکے ہیں۔ کشمیر میں مسلمانوں کی جان و مال عزت و آبرو کچھ بھی محفوظ نہیں۔ مسلمانوں کے مذہبی اور مقدس مقامات کو منہدم کیا جا رہا ہے اور اب تک ستر ہزار مسلمانوں کو کشمیر میں شہید کیا جا چکا ہے۔

فلسطین میں عیسائیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں کی بستیاں تباہ کر دیں۔ روس جیسی سپر طاقت نے وسط ایشیا کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر کے رکھ دیا۔ افغانستان کی سرزمین بھی روسی جبر واستبداد سے مسلمانوں کے خون سے رنگین ہو چکی ہے۔ یہود ونصاریٰ کی سازشوں سے عراقی مسلمانوں کا زندگی گزارنا مشکل ہو گیا۔ اس کے علاوہ سقوطِ غرناطہ، سقوطِ بغداد اور سقوطِ ڈھاکہ یہود وہنود کے دیئے ہوئے وہ زخم ہیں جس کا درد آنے والی مسلمان نسلیں شدت سے محسوس کرتی رہیں گی۔

مسلمانو! اب یہود و نصاریٰ اور اسلام دشمن قوتوں کی نظریں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں پاکستان ایک ایٹمی ملک ہے جو اسلام کا قلعہ کہلاتا ہے۔ یہود و ہنود مسلمانوں کے اس عظیم قلعے کو ختم کر دینا چاہتے ہیں اور وہ اس موقع کی تلاش میں ہیں کہ کسی طرح پاکستان کو بھی دہشت گرد قرار دے دیا جائے۔ اسلام اور پاکستان یہ دو ایسے نام ہیں جنہیں اہل مغرب صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے سازشوں میں مصروف ہے۔ وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ سات سو سال مغربی سرزمین اسپین پر حکومت کرنے والے مسلمان اسپین کا بدلہ لینے کیلئے پھر کہیں متحد نہ ہو جائیں۔

مسلمانو! آج سارا عالم کفر ایک قوت بن کر مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور انہیں معاشی، اقتصادی اور نظریاتی غلامی کے جال میں پھانسنے کیلئے تمام اقدامات کو آخری شکل دینے میں مصروف ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی بقاء تقدس واحترام اور دین اسلام کی بحالی کا راز اسی میں پنہاں ہے کہ تمام مسلمان فرقہ پرستی کے خول سے آزاد ہو جائیں۔ ایک دوسرے کے دست و بازو بن جائیں، فرقہ پرستی اور انا پرستی کے بتوں کو پاش پاش کر دیں اسلام کی بقاء اور ملک کے استحکام کیلئے منصوبہ بندی کریں۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے مسلمانو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

قرآن مجید میں اللہ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا:

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا (سورۂ آل عمران:۱۰۳)

اور اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا (فرقوں میں نہ بٹ جانا)۔

مذکورہ بالا آیتِ مقدسہ میں رسی سے مراد دین اسلام ہے یعنی اللہ کے عطا کردہ دین اسلام کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔ دین کو ٹکڑے نہ کیا جائے اور نہ ہی دین کو تقسیم کر کے فرقہ واریت کو فروغ دیا جائے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شئ (سورۂ انعام:۱۵۹)

وہ جنہوں نے اپنے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہو گئے اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔

اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نئے نئے فرقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کا حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ یوں تو ہر اسلام کا دعویدار یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ ایک، رسول ایک، قرآن ایک، قرآن کا ضابطۂ حیات ایک، دستور ایک، مگر تعجب ہے کہ ایک چیز تو ایک کے ہاں حلال ہو اور

دوسرے فرقے میں حرام ہو، ایک کے ہاں سنت ہو اور دوسرے کے ہاں بدعت ہو، ایک کے ہاں ایمان ہو اور دوسرے کے یہاں کفر و شرک ہو تو ذرا سوچئے اگر ہر فرقہ اپنے اپنے عقیدے پر ڈٹ جائے اور قرآن وحدیث کے واضح اور روشن ارشادات کے باوجود بھی اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرے تو یہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا نہیں ہے بلکہ اپنے فرقہ وارانہ خود ساختہ اور ماڈرن مذہب کو مضبوطی سے پکڑنا ہے۔

وہ اسلام جو اللہ کا ایک پسندیدہ دین ہے آج فرقہ پرستی کی بناء پر نام نہاد اور بناوٹی اسلام میں منتقل ہوتا جا رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اسلام کے دعویدار مشترکہ طور پر اسلام کو اپنا دین مانیں اور قرآن وحدیث کو تسلیم کرلیں مگر افسوس کہ فرقہ پرستی کو برا جانتے ہوئے بھی کچھ لوگ اپنے فرقوں سے علیحدہ نہیں ہوتے۔

مسلمانو! میں نے انتہائی دیانت داری اور غیر جانبداری سے قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام حقائق آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ایک سچے اور وفادار اُمتی ہونے کی حیثیت سے اب آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اللہ و رسول کی خوشنودی قرآن وحدیث کے احکامات کو ماننے میں ہے یا ان فرقوں سے وابستہ رہنے میں جو اپنی آنکھوں پر بغض وعناد، عداوت وشقاوت کی عینک چڑھا کر جبراً اپنے مذموم عقائد مسلمانوں میں رائج کر کے قرآن وحدیث کا انکار کر رہے ہیں۔

میرا یہ سوال ان لوگوں سے بھی ہے جو بغیر سوچے سمجھے اپنی لاعلمی کے سبب ایسے گمراہ فرقوں سے وابستہ ہو گئے ہیں جو قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ کا انکار کر کے گمراہ اور بے دین ہو چکے ہیں۔

اگر آپ کا جواب اللہ اور رسول کے احکامات پر عمل کرنے میں ہے تو آج ہی سے بلکہ اسی وقت اللہ و رسول کو گواہ بنا کر یہ عہد کیجئے کہ جن فرقوں نے قرآن وحدیث کا انکار کر کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیب داں، حیات النبی، مددگار، نفع ونقصان کے مالک، نور، بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ، حاضر وناظر اور شفیع ہونے کا انکار کیا ہے، ہم ایسے منکروں سے ہمیشہ دور رہیں گے۔ ان بدمذہبوں اور دین کے جھوٹے داعیوں اور بتوں اور بت پرستوں کی مذمت میں نازل ہونے والی آیتوں کو انبیائے کرام اور اولیائے کرام پر چسپاں کرنے والے گستاخوں سے بچتے رہیں گے اور ان کے دام فریب میں ہرگز نہ آئیں گے۔

مسلمانو! اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ گمراہ فرقے کون سے ہیں کہ جنہوں نے اُمتِ رسول کا شیرازہ بکھیرا، قرآنی آیات کے معنیٰ میں تحریف کی اور پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخیاں کیں تو آپ سے میری پر زور اپیل ہے کہ مجھ ناچیز کی کتاب 'منزل کی تلاش' کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے قوم و ملت کے دشمنوں اور دین کے جھوٹے داعیوں کے بھیانک چہرے سورج کی طرح آپ پر روشن ہو جائیں گے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انا لا اخشی علیکم ان تشرکوا لکن اخشی ان تنافسوا

مجھے اس بات کا خطرہ نہیں کہ تم خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرو گے بلکہ مجھے جس چیز کا تمہارے بارے میں خوف ہے وہ یہ کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرو گے۔

غور فرمایئے جس چیز کا خطرہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے محسوس کیا یعنی حسد اس کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں اور جس شرک کے بارے میں فرمایا کہ مجھے اس کا کوئی ڈر نہیں اس کے بارے میں اُمت میں انتشار پیدا کر کے فرقہ بندی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کسی جہاد میں مصروف تھی سامنے سے ایک کافر آیا تو صحابہ کرام کو دیکھ کر فوراً خوف کی وجہ سے کلمہ پڑھنے لگا مگر ایک صحابیٔ رسول نے ذرا لحاظ نہ کیا اور تلوار سے اس کی گردن اُڑا کر رکھ دی۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صحابی سے دریافت کیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو وہ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا کیونکہ اسکو موت کا یقین ہو گیا تھا تو موت سے بچنے کیلئے کلمہ توحید پڑھا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا 'ھل شققت قلبہ' کیا تو نے اس کے دل کو چیر کے دیکھا تھا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں یا وہ مشرک تھا یا مومن۔ جب اس نے کلمہ پڑھ لیا تو تمہیں قطعی کوئی حق نہیں تھا کہ تم اس پر وار کرتے۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی دیت اپنی طرف سے ادا کی اور صحابہ کرام کو سختی کے ساتھ منع فرما دیا کہ ایسے شخص کو کوئی قتل نہ کرے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں رونما ہونے والے اس واقعہ میں ان لوگوں کیلئے انتہائی عبرت ہے جو لوگ اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے بلا وجہ مسلمانوں پر مشرک ہونے کا بہتان باندھتے ہیں۔ کیا انہوں نے مسلمانوں کے دلوں کو چیر کر دیکھا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں تو یہ دعویٰ کہ وہ ہمارے دلوں کی باتوں کو نہیں جانتے اور اپنے بارے میں یہ دعویٰ کہ وہ مسلمانوں کے دلوں کا حال جانتے ہیں۔ اتنی بڑی عظیم ہستی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ نفع و نقصان کے مالک نہیں تعجب ہے کہ ڈسپرین کی گولی یا بنفشے کی پڑیا تو نفع دے اور دیگر اشیاء بھی نفع دیں صرف ایک ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ایسی ہے جو نفع نہ دے؟ (نعوذ باللہ)

مسلمان بھائیو! شرک کی حقیقت اب آپ پر بالکل واضح ہو چکی ہے اب اگر کوئی اس روئے زمین پر بسنے والے مسلمانوں کو بلا وجہ مشرک کہے تو وہ کائنات کا سب سے بڑا کاذب ہے۔ علم سے نا آشنا مسلمانوں کو دھوکا دے کر اگر چہ ایسے لوگ کسی حد تک اپنی تعداد بڑھانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مگر اپنے خود ساختہ اور من گھڑت عقائد کے سبب اپنے ایمانوں سے ان کو ہاتھ دھونے پڑتے ہیں کیونکہ کسی صحیح العقیدہ مسلمان کو بلا وجہ کافر و مشرک کہنے والا خود دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور کفر کا لعنتی طوق اس کی گردن میں ڈال دیا جاتا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جب ایک شخص نے دوسرے کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔ وہ شخص جس کو اس نے کافر کہا واقعی کافر ہے تو یہ سچا ہے اور اگر وہ کافر نہیں تو یہ کہنے والا خود کافر ٹھہرا۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف، صفحہ ۲۱۹)

مسلمانوں کو بلا وجہ کافر و مشرک اور بدعتی کہنے والوں کو اس حدیثِ مبارکہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے کسی کو کافر و مشرک کہنے سے پہلے حقائق کا صحیح مطالعہ کر لینا چاہئے، سنی سنائی باتوں پر عمل کر کے لکیر کے فقیر نہیں بننا چاہئے۔ اس سے سوائے اپنی آخرت برباد کر دینے کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مسلمانوں کو کافر و مشرک کہنے والا خود دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر شادی شدہ ہے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کنوارا ہے تو اس کا نکاح قائم نہیں ہوگا۔ دنیا ایسے شخص کو خواہ استاد جی کہے یا مولوی جی، علامہ کہے یا مفتی، شیخ القرآن کہے یا مفکر اسلام، حکیم الامت کہے یا شمس العلماء' یہ زمانے کی باتیں ہیں شریعت کی نہیں۔ از روئے شریعت گستاخِ رسول سے نکاح کرنا حرام ہے اور اس کی اولاد نسل حرام ہوگی۔

بلا وجہ کسی مسلمان کو شرک کا فتویٰ لگا کر مشرک کہنے والے ایک حدیثِ پاک اور سنیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک مجھے تم پر ایسے شخص کا خوف ہے جو قرآن اتنا پڑھے گا کہ اس کے چہرے پر اس کی رونق بھی نظر آئے گی۔ اس کا اوڑھنا بچھونا اسلام بن جائے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا یہ چیز اس کو لاحق رہے گی۔ پھر اس شخص سے وہ حالت چھین لی جائے گی وہ تمام ان تمام چیزوں کو پس پشت ڈال کر اپنے پڑوسیوں پر شرک کا فتویٰ صادر کر کے ہتھیار پکڑ کر حملہ آور ہوگا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! جس پر شرک کا فتویٰ لگے گا وہ شرک کا حقدار ہوگا یا کہ شرک کا فتویٰ صادر کرنے والا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلکہ شرک کا فتویٰ لگانے والا۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۲۶۵)

مذکورہ بالا حدیثِ پاک نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ بلا وجہ مسلمانوں کو مشرک کہنے والے راہِ حق پر نہیں ہوں گے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو بلا وجہ کسی مسلمان پر شرک کا فتویٰ لگاتا ہے وہ پلٹ کر خود اس کو شرک کی گرفت میں لے لیتا ہے۔

جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر اپنے عقائد و نظریات کی روشنی میں کرتے ہیں وہ مانیں یا نہ مانیں مگر یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام اور اس کی تحریف کرنا کفر ہے۔ حدیثِ پاک میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے، جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم فصل دوم)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا کہ جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا پس صحیح کہہ گیا تو بھی اس نے غلطی کی۔

مسلمانو! تفسیر کرنے سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کے معنی مطلب عین منشائے الٰہی کے ہوں اس میں اپنی مرضی کا عمل دخل نہ ہو اور تحریف سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے ایسے معنی بیان کئے جائیں جو اجماعِ اُمت یا عقیدہ اسلامیہ یا آئمہ دین اور مفسرین دین کے خلاف ہو یا خود تفسیر قرآن کے خلاف ہو، مثلاً جن آیات میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت آئی ہے وہاں مفسرین دین آئمہ دین اور بزرگانِ دین کا یہ اتفاق و اجماع ہے کہ اس سے مراد بتوں کو پوجنا اور ان کو اپنا معبود و مسجود سمجھ کر پکارنا ہے، اب اس تفسیر اور اجماع امت کے ہوتے ہوئے اگر کوئی یہ کہے کہ اس سے مراد انبیاء و اولیاء کو پکارنا ہے تو وہ قرآن میں تحریف کرتا ہے جو نہ صرف منشائے الٰہی کے خلاف ایک کھلی سازش ہے بلکہ شانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں زبردست گستاخی و بے ادبی ہے۔

مسلمانو! یاد رکھو اسلام کی اشاعت اور اُمتِ مسلمہ کی یکجہتی کی واحد بنیاد حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے مسلمانوں کا تعلق اور وابستگی ہے۔ خدانخواستہ اگر ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ تعلق کمزور پڑ گیا تو اس کے براہِ راست منفی اثرات نہ صرف اُمتِ مسلمہ کی وحدت اور یکجہتی پر مرتب ہوں گے بلکہ مسلمانوں کے دین و ایمان کی بربادی کا سبب بھی بن جائیں گے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک وفادار اُمتی دنیا کی ہر چیز کے بارے میں تو مصلحانہ رویہ اختیار کر سکتا ہے اپنے ہر مفاد اور وابستگی کو تو قربان کر سکتا ہے لیکن حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی انتہائی گہرائی اور انتہائی مضبوط عقیدت کے بارے میں کوئی مصالحت کوئی سمجھوتا ہرگز نہیں کر سکتا۔

قرآن و حدیث میں بھی اسی وابستگی پر زور دیا گیا ہے اور صحابہ کرام، فقہائے کرام، مفسرین کرام اور محدثین کرام کا بھی روزِ اوّل ہی سے اتفاق رہا ہے کہ ہر ایسا جملہ یا ایسا قول یا کوئی ایسا فعل یا کوئی ایسا نظریہ جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان و عظمت کو مجروح کرے اسلام کے خلاف ایک کھلی ہوئی بغاوت ہے اور اس کا داعی اور اس کے پیروکار دین کے باغی ہیں جس کی سزا سزائے موت ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے، ہر مسلمان جو مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ قابلِ قبول ہے سوائے ایسے مرتد کے جو کسی نبی کی گستاخی کے سبب کافر ہوا ہو، اور اس کو سزا کے طور پر قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

علامہ ابن عابدین شامی اس کے تحت فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہ ہونے سے مراد دنیا میں قبول نہ ہونا مراد ہے (یعنی اسے ہر صورت میں قتل کیا جائیگا) جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی توبہ قابلِ قبول ہے۔ (رد المحتار، صفحہ ۳۷۰، امام شامی جلد ۲ مطبوعہ بیروت)

حضرت علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے قتل پر اُمت کا اجماع ہو چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو الشفاء، جلد ۲ صفحہ ۲۲۱)

عالمِ اسلام کی دو مقتدر ہستیوں کے قول سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے اور اس کی توبہ دنیا میں مقبول نہیں۔ یعنی حاکمِ اسلام اس کو ہر صورت میں قتل کرے گا اگر توبہ کرتا ہے اور اپنے اس فعل پر نادم ہوتا ہے تو اسے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ قتل کے بعد اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دے۔

قرآن مجید کی وہ آیات جو اللہ نے بت پرستوں اور بتوں کی مذمت میں نازل فرمائیں، جن بتوں کو پکارنے کی اللہ نے ممانعت فرمائی، جن کو معبود ماننا شرک قرار دیا ان بتوں کو محبوبانِ خدا سے بالخصوص حضور سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منسوب کرنا' نہ صرف حکمِ الٰہی کے منافی ہے بلکہ شانِ رسالت میں انتہائی شرمناک گستاخی ہے۔

مسلمانو! ایمانی غیرت کا تقاضا ہے کہ ان فاسد عقائد و نظریات سے دُور ہو جائے جو قرآن و حدیث کے قطعی منافی ہوں اور جن باطل نظریات سے شانِ رسالت مجروح ہوتی ہے۔ اسی میں ہمارے لئے دونوں جہاں میں کامیابی و کامرانی پوشیدہ ہے۔

مسلمانو! سرزمین پر ایسے فرقے موجود ہیں جو اپنی تمام تر توانائیاں اپنے نظریات کو فروغ دینے کیلئے صَرف کر رہے ہیں آپ پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ جو قدیمی، لامحدود، ذاتی، لامتناہی صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں' وہی قدیمی، لامحدود، ذاتی اور لامتناہی صفات جو لوگ اولیائے کرام اور انبیائے کرام میں مانتے ہیں ایسا عقیدہ رکھنے والے لوگ قطعی مشرک یعنی شرک کرنے والے ہیں ان کے شرک میں ذرہ برابر شک نہیں۔ ایسے مشرکوں کو جو مسلمان مانے وہ بھی اس جرم میں شریک ہے۔ اس عقیدہ کا مولوی ہرگز مسلمانوں کا امام اور مدرسے کا مدرس نہیں ہو سکتا۔

مسلمانو! یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی مسلمان ایسا نہیں جو ایسا بدترین عقیدہ رکھتا ہو اور اللہ کی ذاتی اور لامحدود صفات میں کسی نبی کو شریک کر کے شرک کا لعنتی طوق اپنی گردن میں ڈالتا ہو۔ البتہ اس دھرتی پر دو گروہ ایسے ضرور ہیں جو اپنے اپنے عقیدہ اور نظریہ پر سختی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک گروہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدیمی، لامتناہی، ذاتی، لامحدود ذات و صفات میں کسی بھی ولی یا نبی کو شریک نہیں کرتا بلکہ اولیاء اور انبیاء کرام کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عطائی اور محدود صفات مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نوازشوں اور کرم نوازیوں کے سبب انہیں بالخصوص حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مددگار، حاجت روا، بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ، غیب داں، حاضر و ناظر، حیات النبی، اللہ کے اذن سے نفع و نقصان کے مالک، شفاعت کرنے والے، کائنات کے مالک و مختار اور نور مانتے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان تمام صفات کو محدود اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مانتے ہیں۔

ایسا عقیدہ رکھنا ہرگز شرک نہیں اور اس عقیدہ کے لوگ ہرگز مشرک نہیں ہوسکتے۔ بلکہ یہی مومن اور مسلمان ہیں اسی عقیدہ کے لوگ ہماری مساجد اور مدارس کے امام و مدرس ہونے چاہئیں۔ حکومتِ وقت کی بھی یہ اوّلین ذمہ داری ہے کہ اس عقیدہ کے امام وخطیب کو سرکاری اور نیم سرکاری مساجد میں بطور امام وخطیب کے تعین کرے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو انبیاء اور اولیاء بالخصوص حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا کردہ صفات کا منکر ہے۔ جو انبیاء کرام بالخصوص حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محدود، حادث اور عطائی صفات کو اللہ تعالیٰ کی لامحدود، ذاتی اور قدیمی صفات میں برابری اور شریک سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ دو طرح سے دین کے باغی اور مجرم ہیں اوّل یہ کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی قدیمی، لامحدود، پاک ومنزہ اور ذاتی صفات کو محدود سے ملا کر اپنے متاعِ ایمان کو برباد کردیتے ہیں اور دوم یہ کہ یہ لوگ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطائی صفات کا انکار کرکے قرآن کی آیتوں اور بہت سی حدیثوں کا انکار کررہے ہیں۔ ایسے لوگ منکرِ قرآن منکرِ حدیث ہیں اور ایسے ہی منکر حقیقت میں گمراہ اور بے دین ہیں۔
ایسا بدترین عقیدہ رکھنے والے لوگ ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتے۔ ایسے بدمذہبوں کو مسلمان سمجھنا یا ان کے باطل عقیدہ کو عین ایمان سمجھنا سراسر گمراہی اور بے دینی ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے مسلمانوں کے امام ہرگز نہیں ہوسکتے اور نہ ہی اس عقیدہ کا کوئی شخص مسلمان حکومت کا سربراہ ہوسکتا ہے۔ اب آپ کو یہاں فیصلہ کرنا ہے کہ اس بدترین عقیدہ کے حامل دیوبندی فرقہ ہے یا بریلوی، اہلحدیث وہابی ہیں یا اہل تشیع، جماعتِ اسلامی والے ہیں یا جماعت المسلمین والے۔ جس کسی کا بھی یہ عقیدہ ہے اس سے اپنے دامن کو بچانا ہوگا۔

مسلمانو! فرقہ واریت اسلام کیلئے کسی ناسور سے کم نہیں۔ یہ وہ ناسور ہے جو اسلام کے مضبوط اور مستحکم قلعوں میں دراڑیں ڈال دیتا ہے جس سے اُمتِ واحدہ ٹکڑوں میں بدل کر کئی حصوں میں منقسم ہوجاتی ہے۔ اگر آپ فرقہ واریت کے اس ناسور کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ اسلام کو پوری دنیا میں پھولتا اور پھلتا دیکھنا چاہتے ہیں، اگر آپ ایک سچے مسلمان اور وفادار اُمتی کا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو فرقہ واریت کے تابوت کو پاش پاش کرنا ہوگا اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب اسلام دشمن عناصر کو اپنی صفوں سے نکال کر باہر کردیا جائے۔ ایک مسلمان دنیاوی مصلحتوں پر تو سمجھوتا کرسکتا ہے لیکن اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت وناموس کے تحفظ اور اپنے عقیدے پر ہرگز سمجھوتا نہیں کرسکتا۔

مسلمانو! قبل اس کے کہ میں اپنی گفتگو ختم کروں آپ سے مؤدبہ عرض ہے کہ میں نے تمام حقائق قرآن مجید کے ارشادات کی روشنی میں عرض کیے ہیں کہیں کہیں احادیث کا سہارا لیا ہے لیکن زیادہ تر قرآن مجید ہی کی آیات کا سہارا لیا جس پر آپ کا میرا اور سب مسلمانوں کا کامل ایمان ہے۔ جو ہر طرح کے شکوک وشبہات سے پاک ہے، جس کی ہر آیت نور ہدایت ہے، جس کی پیروی نجات کی ضمانت ہے، جس نے اس مقدس کلام کی اطاعت کی وہ تمام فتنوں سے نجات پا گیا مگر بد قسمتی سے اس مقدس کلام سے کچھ لوگ گمراہ بھی ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو قرآن مجید کے معنی کو اپنے عقائد ونظریات کے مطابق ڈھال لیتے ہیں اور منشائے الٰہی کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

يضل به كثيرا و يهدى به كثيرا (سورۂ بقرہ:۲۶)

گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں (بہت سوں) کو اور ہدایت دیتا ہے بہتیروں کو۔

اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حق سمجھنے کی سوجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے اور جس کسی سے بیزاری اور نفرت کا ارادہ فرماتا ہے اس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں چھین لیتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام ومن يرد
ان يضله يجعل صدره ضيقا حرجا (سورۂ انعام:۱۲۶)

اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو ہدایت کی راہ دکھا دے تو اس کا سینہ حق قبول کرنے کیلئے کشادہ کر دیتا ہے اور وہ حق کی طرف رغبت کرتا ہے اور جو بد نصیب حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے یا سرکشی اختیار کرتا ہے تو اس کی سرکشی اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے اسے محروم کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت اسکی طرف سے پھر جاتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی عقل وفراست کی تمام تر صلاحیتیں دم توڑ دیتی ہیں پھر وہ حق کو تسلیم کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور اس کی عقل حق کی طرف رسائی نہیں کر پاتی۔ سورج سے زیادہ چمکتے ہوئے حقائق بھی اس کی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور وہ سرکشی اور بے باکی اور بے ادبی وگستاخی کو بھی عین ایمان سمجھتا ہے۔

ہجرت کے نویں سال حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی کلاب کی طرف ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا تا کہ وہ لوگ اسلام کے مطیع وفرمانبردار ہو جائیں۔ ان لوگوں نے خط کی عبارت کو دھوڈالا اور جس چمڑے پر خط لکھا گیا تھا اسے ایک چرخی ڈول کے ساتھ سی لیا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب خبر ہوئی تو ارشاد فرمایا، ما لهم اذهب الله عقولهم اس کے بعد اس قبیلے کی عقل ماؤف ہوگئی۔ (ملاحظہ کیجئے شواہد النبوۃ، صفحہ ۱۶۷)

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں اور بے ادبوں کی عقل سلب کردی جاتی ہے۔ ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم کردی جاتی ہے۔

اے میرے دین کا درد رکھنے والے مسلمان بھائیو! اور ناموس رسالت پر اپنی گردنیں کٹانے کا جذبہ رکھنے والے غیور تاجرو! طالبِ علمو! ڈاکٹرو! انجینئرو! اسکالرو! ججو! وکیلو! مفکرو! مدبرو! ادیبو! شاعرو! مل اونرو! زمیندارو! کسانو! قوم وملت کے معمارو! مزدورو! اعلیٰ عہدیدارو! فوجی افسرانو! سرکاری وزیرو! پولیس عہدیدارو! پرنسپلو! لیکچرارو! آستانہ عالیہ کے سجادہ نشینو! پیاری پیاری ماؤ! اور معزز ومحترم بہنو! ان تمام حقائق کو جان لینے کے بعد اب بھی اگر آپ نے اپنے صاف وشفاف دامنِ دل اور خرمنِ ایمان کو بدعقیدگی اور گمراہی کی نجاست سے محفوظ نہیں کیا تو یقیناً یہ آپ کی انتہائی درجہ کی بدنصیبی ہوگی۔ اگر آپ میری باتوں سے متفق ہیں تو پھر اب آپ کی یہ دینی اور ملی ذمہ داری ہے کہ گمراہی کی راہ کو چھوڑ دیں اور حق کی راہ پر عمل پیرا ہو جائیں۔ یہی وہ راہ ہے جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کیلئے متعین فرمائی۔ اسی راہ پر صحابہ کرام چلتے رہے اور اسی راہ کو بزرگانِ دین نے اختیار کیا۔ یہی وہ راہِ نجات ہے جس پر چلنے سے جنت کی راہیں ہموار ہوتی ہیں اور دوزخ کے فاصلے مٹ جاتے ہیں۔ اسی راہ پر اپنی اولاد کو بھی چلانا ہے۔ ان حقائق سے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی آگاہ کریں اور جہاں تک ممکن ہو اس کتاب کو ایک مسلمان دوسرے مسلمان تک پہنچانے کا اہتمام کریں اگر آپ کی اس کوشش سے کسی مسلمان کی اصلاح ہوگئی اور اس نے اپنے ایمان کو محفوظ کرلیا تو اس کا ثواب اللہ جو آپ کو عطا فرمائیگا اس کا اندازہ تو قبر اور حشر کے میدان ہی میں ہوگا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت میں چلا اور اس میں اس کو نصیحت کی (درست مشورہ دیا) اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان سات خندقیں حائل کردے گا اور ایک خندق سے دوسری خندق کا فاصلہ اس قدر ہوگا جس قدر زمین وآسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ (ملاحظہ ہو مکاشفۃ القلوب، صفحہ ۴۹۷ از حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ)

غور فرمایئے! مسلمانوں کی بہتری چاہنے والوں کا انعام کس قدر عظیم تر ہے اور اس انعام واکرام کا حقدار وہی مسلمان ہوگا جو اپنے مسلمان بھائی کو ہدایت کی راہ دکھائے گا اور گمراہی کی راہ سے بچائے گا۔

یاد رکھو! سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور بنی اسرائیل بہتّر مذہبوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت تہتّر مذہبوں میں بٹ جائے گی ان میں ایک مذہب والوں کے سوا باقی تمام مذاہب والے ناری اور جہنمی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہ ایک مذہب والے کون ہیں یعنی ان کی پہچان کیا ہے؟ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ لوگ اسی مذہب پر قائم رہیں گے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

(ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف)

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوا کہ ایک گروہ کے علاوہ سارے فرقے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے اور یہ جہنمی فرقے وہی ہوں گے جنہوں نے قرآن وحدیث کا انکار کیا اور منشائے الٰہی کو بدل کر رکھ دیا۔

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوا کہ جنتی گروہ صرف وہی ہوگا جو حضور کی سنت پر اور اس کے صحابہ کے طریقے پر عمل کرنے والا ہوگا۔ جو لوگ صحابہ کرام سے بغض وعناد رکھتے ہیں ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات پر بہتان لگاتے ہیں وہ ہرگز جنتی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ صحابہ کرام وہ مقدس گروہ ہیں کہ جنہوں نے اپنے شب و روز حضور کیساتھ حضور کی محبت میں گزارے۔ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ تمام صحابہ جنتی ہیں۔ یہ الگ بات کہ صحابہ کرام کے بھی مرتبے ہیں کوئی سب سے بلند مرتبے پر ہے تو کوئی اس سے کم مگر غیر صحابہ کے مقابلے میں یہ مقدس گروہ سب سے بلند مرتبہ پر ہوگا۔ پس جو کوئی صحابہ کے مرتبے کا انکار کرے یا انہیں گمراہ اور بے دین سمجھے یا ان کی شان میں گستاخیاں کرے وہ مسلمان ہرگز نہیں بلکہ کافر و مرتد ہے۔ ایسے لوگوں کا کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جہنم کا ایندھن اور غضبِ الٰہی کا شکار ہوں گے۔

اے میرے پیارے مسلمان بھائیو اور پیاری بہنو! اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا تعلق بھی جنتی گروہ سے ہو اور قبر کی اندھیری رات سے روزِ محشر کی گرمی تک، پل صراط کے خوفناک راستے سے لے کر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ تک تمام کے تمام مراحل آپ کیلئے آسان ہوں تو آپ کو گمراہ فرقوں سے نکلنا ہوگا۔ آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں کہ اسلام دشمن انگریز نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنے کیلئے زرخرید مولوی خریدے جنہوں نے انگریزوں کی وفاداری میں من گھڑت اور گستاخانہ کتابیں لکھیں تاکہ مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہوجائے اور اُمتِ مسلمہ انبیاء اور اولیاء کرام سے بد اعتقاد ہوجائیں پھر ان کی تقریروں اور تحریروں کا یہ اثر ہوا کہ اُمت واحدہ گروہوں میں بٹ گئی اور آج تک تفریق کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ انگریز اپنی اس سازش میں کتنا کامیاب ہوا اس کا اندازہ آج ہر اہلِ نظر بخوبی لگا سکتا ہے۔ ان اسلام دشمن انگریز نے اپنے نمک خواروں اور ایجنٹوں کے ذریعہ ملتِ اسلامیہ میں فرقہ واریت کی بنیاد ڈالی اور یہ اختلاف ڈیڑھ سو سال سے روز بروز بڑھ رہا ہے اور آج اُمتِ مسلمہ باہمی اختلاف کی وجہ سے خیر سے محروم ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے، غلبۂ حق کی بحالی کیلئے ایک مسلمان کی کیا ذمہ داری ہونی چاہئے اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں یہ عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ہمیں ان اندھوں میں ہرگز نہ کرے جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ اور شان وعظمت کو نہیں پہچانتے جن کی محدود نگاہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت تک رسائی نہیں کر پاتی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو پوری اُمتِ رسول کیلئے سرمایہ آخرت بنائے اور مسلمانوں میں اتحاد واتفاق پیدا کرے اور جو لوگ لاعلمی کی وجہ سے فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں انہیں عقل سلیم عطا فرمائے اور مجھ ناچیز عاجز سے بتقاضائے بشریت جو بھی لفظی معنوی غلطی ہوئی ہو اسے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل معاف فرمائے۔

آمین ثم آمین یا ربّ العالمین بطفیل رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وما علینا الا البلاغ المبین

دعائے خیر کے طالب

محمد نجم مصطفائی

پاکستان 20 ستمبر 2001ء

(جدید ایڈیشن)